چوتھے سالانہ اجلاس کی کاروائی

غذائی، معاشی اور ماحولیاتی بحران: عوامی لائحہ عمل

پاکستان کسان مزدور تحریک

2011، رینیول سینٹر، لاہور

غذائی ، معاشی و ماحولیاتی بحران : عوامی لائحہ عمل
پاکستان کسان مزدور تحریک
چوتھا سالانہ اجلاس 2011

چوتھے سالانہ اجلاس کی کاروائی

غذائی، معاشی اور ماحولیاتی بحران: عوامی لائحہ عمل

پاکستان کسان مزدور تحریک

15-16 دسمبر، 2011

پاکستان کسان مزدور تحریک

روٹس فار ایکوٹی نے 2008 میں کسانوں، ہاریوں کے سیاسی و معاشی حالات کے ادراک اور اس کی بنیاد پر کسانوں کو منظّم کرنے کے لیے ملک گیر سطح پر ایک سیاسی تعلیمی پروگرام کا آغاز کیا۔ سیاسی تعلیمی آگہی کے اس پروگرام کا مقصد ہاریوں اور بے زمین کسانوں کو زرعی مسائل کے حوالے سے ایک پلیٹ فارم پر منظّم کرنا تھا تاکہ ان کے مسائل کے حل کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جاسکے۔ اس پروگرام کے تحت کسان مزدوروں کے حقوق، خوراک کی خودمختاری اور پائیدار زراعت کے موضوعات پر تفصیلی پروگرام ترتیب دیا گیا۔

پہلے مرحلے میں اس پروگرام کا آغاز ملک کے تین صوبوں میں دو دو اضلاع سے کیا گیا۔ صوبہ سندھ میں سب سے پہلے ضلع ٹنڈو محمد خان اور ضلع حیدرآباد میں گاؤں کی سطح پر تربیتی پروگرام کیے گئے۔ 2009 میں ضلع خیرپور اور گھوٹکی بھی اس میں شامل ہوگئے۔ صوبہ خیبر پختونخواہ کے حوالے سے ضلع چارسدہ، لوئر دیر اور مردان میں گاؤں کی سطح پر تربیتی پروگرام منعقد کیے گئے۔ صوبہ پنجاب سے ضلع بہاولنگر اور اوکاڑہ کو اس تربیتی پروگرام میں شامل کیا گیا اور 2010 میں صوبہ بلوچستان سے ضلع جعفرآباد اور لورالائی میں گاؤں کے سطح پر تربیتی پروگرام کا آغاز کیا گیا۔

سیاسی تعلیمی آگہی کے پروگرام کے دوسرے مرحلے میں صوبائی سطح پر تربیتی پروگرام کا آغاز کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں تمام صوبوں میں صوبائی کور گروپ کی تشکیل عمل میں آئی۔ صوبائی کور گروپ صوبہ بھر میں اپنے کام کو پھیلانے کا ذمہ دار قرار پایا۔

پہلا سالانہ اجلاس پاکستان کسان سنگت کے نام سے 2008 میں لاہور میں منعقد ہوا جس میں چاروں صوبوں سے تقریباً 100 کسانوں نے شرکت کی۔ 2009 میں اس اتحاد کے باقاعدہ نام پر ابتدائی بحث و مباحثہ کا آغاز کیا گیا۔ جب کہ 2010 کے سالانہ اجلاس میں اس اتحاد کا نام متفقہ طور پر پاکستان کسان مزدور تحریک طے پایا جس میں چاروں صوبوں سے ایک ایک صوبائی کوارڈینیٹر کا چناؤ بھی عمل میں آیا۔ 2008 سے ہر سال تحریک کا سالانہ اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہو رہا ہے۔ موجودہ اشاعت 2011 کے سالانہ اجلاس کا ایک جائزہ ہے۔

ابتدائی تقریب

پاکستان کسان مزدور تحریک کی چوتھی سالانہ کانفرنس رینیول سینٹر، لاہور میں 15 اور 16 دسمبر، 2011 کو منعقد ہوئی۔ اس میں چاروں صوبوں سے چھوٹے اور بے زمین ہاریوں نے شرکت کی۔ کانفرنس کا آغاز فیض احمد فیض کی نظم ''لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے'' کو ٹیبلو میں پیش کر کے کیا گیا۔ جس میں جاگیرداری نظام کے تحت بے زمین کسانوں اور ہاریوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف کسانوں کی بغاوت کو پیش کیا گیا۔

تعارفی کلمات

اسٹیج سیکرٹری کے فرائض پی کے ایم ٹی صوبہ پنجاب ملتان کے ممبر ظہور جوئیہ نے ادا کیے اور کانفرنس کے پہلے دن کا آغاز کرتے ہوئے شریک مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ پاکستان کسان مزدور تحریک کے سرگرم ممبر علی اکبر نے تعارفی کلمات ادا کرتے ہوئے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ ''پاکستان کے موجودہ حالات میں صنعتی زراعت، عالمی تجارتی منڈیوں اور موجودہ معاشی بحران کے ساتھ ساتھ خوراک کے بحران نے اس طرح کی تحریکوں کو آگے بڑھنے میں ایک طرح سے مواقع دیے ہیں۔ موجودہ حالات میں حقیقی جمہوری اور انقلابی تحریکیں پس منظر میں چلی گئی ہیں اور دیگر رجعت پسند تحریکیں ان سامراجی قوتوں کے خلاف لڑ رہی ہیں اور ہم غیر سرکاری اداروں اور دیگر چیزوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہمارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ پاکستان کسان مزدور تحریک بہت بڑی طاقت بن گئی ہے، لیکن ہمیں اپنی بات سب سے کرنی ہے۔ فرانس کا انقلاب ہمارے سامنے ہے۔ اس میں کمزوریاں اپنی جگہ تھیں لیکن فرانس کے انقلاب کا اثر 70 سال تک رہا۔ ہمارے ملک میں پاکستان کسان مزدور تحریک کا قیام بڑی کامیابی ہے۔ اس ملک میں تحریکیں موجود رہی ہیں کبھی حسن ناصر کی صورت میں تو کبھی سندھ کی ہاری تحریک کی صورت میں۔ ان لوگوں نے قربانیاں دی ہیں وہ ہمارے شہدا ہیں۔ ہم بھی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں مایوسیوں سے نکل کر بات کرنی چاہیے اور ہر جگہ بات کرنی چاہیے۔ اس وقت تو یہ تحریک ایک غیر سرکاری تنظیم کے فنڈ سے چل رہی ہے لیکن ہمیں اس سے نکلنا ہوگا۔

کانفرنس کے دوران کافی دوستوں نے شکایات کی کہ بستر نہیں ہے، کھانا ٹھنڈا ہے، ہم نے بھی تحریکوں میں کام کیا

ہے۔ جہاں بھوکا، پیاسا رہنا پڑتا تھا اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھی۔ یہ فنڈ آخر ختم ہو جائیں گے۔ دراصل غیر سیاسی اداروں کے کلچر نے ہمیں غیر سیاسی بنا کے رکھا ہوا ہے۔ پاکستان میں اسٹیبلشمنٹ سارا بجٹ کھا رہی ہے اور سماجی تحفظ کے لیے صرف 8 سے 10 فیصد رکھا جاتا ہے۔ امریکہ نے پاکستان کو ایف 16 طیارے اور انڈیا کو ایف 18 طیارے دیے ہیں۔ ہم آپس میں لڑ رہے ہیں اور ان کے توپ اور بارود کے کارخانے چل رہے ہیں۔ اس تناظر میں سیاسی آگاہی کا پروگرام جاری رہنا چاہیے اور ہمیں اس سوچ کو اپنے گھروں میں بھی شروع کرنا چاہیے تاکہ تحریک مضبوط اور منظّم ہو جو ہماری آنے والی نسلوں کا مستقبل سنوار سکے۔

ہمیں خبر ہے ہم ہیں چراغ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہوگا

پاکستان کسان مزدور تحریک: سرگرمیوں کا جائزہ

پاکستان کسان مزدور تحریک کی گزشتہ سرگرمیوں کی تفصیلات کا جائزہ پیش کرنے کے لیے صوبہ پنجاب کے رابطہ کار ڈیوڈ رحمت کے ساتھ ساتھ پاکستان کسان مزدور تحریک کے دیگر ممبران کو بھی اسٹیج پر دعوت دی گئی تا کہ وہ ان سرگرمیوں کے حوالے سے مزید معلومات فراہم کرسکیں۔

سیلاب زدگان کے لیے امداد

سال 2011 کے دوران پاکستان کسان مزدور تحریک کی طرف سے ملک بھر میں کی گئی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے پنجاب کے صوبائی رابطہ کار ڈیوڈ رحمت نے بتایا کہ 2010 کے سیلاب کے بعد پاکستان کسان مزدور تحریک نے روٹس فار ایکوٹی کے ساتھ مل کر سندھ میں گھوٹکی اور شکار پور جبکہ پنجاب میں ضلع راجن پور میں سیلاب متاثرین کے لیے گرم کپڑے، بستر اور گندم کے بیج بطور امداد مہیا کیے۔

تنظیمی کاروائیاں

- تحریک نے ٹنڈو محمد خان، شکار پور، خیر پور میں زمینی اصلاحات، سبز انقلاب، سرمایہ داری، جاگیرداری اور پدرشاہی نظام، دیہی معیشت، بیجوں کی سیاست، زمینی اصلاحات، پائیدار زراعت اور ہائبرڈ بیج پر مختلف پروگرام کیے۔ سکھر میں زمین پر قبضہ اور سبز انقلاب کے اثرات پر صوبائی سطح کا سیمینار منعقد کیا گیا۔ جس کے بعد سیمینار کے شرکاء نے سکھر شہر میں بین الاقوامی زرعی کمپنیوں کے خلاف ریلی کا انعقاد کیا۔ خوراک کے عالمی دن کے موقع پر 16 اکتوبر 2011 کو پریس کلب حیدرآباد میں پاکستان کسان مزدور تحریک اور روٹس فار ایکویٹی کی طرف سے پریس کانفرنس کی گئی۔

- ہری پور، لوئر دیر، چارسدہ میں خوراک کی خودمختاری، سیاسی و معاشی بحران، نوآبادیات، جی 8 ممالک کے عزائم، ہائی برڈ بیج، جینیاتی بیج اور بی ٹی مکئی، کھاد، پانی کے موضوعات پر پروگرام کیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ہری پور میں ایک ضلعی سطح کا سیمینار عالمگیریت اور تیسری دنیا میں بڑھتی غربت کے موضوع پر منعقد کیا گیا۔
- ملتان، راجن پور، اوکاڑہ، چشتیاں میں خوشحال کسان، بی ٹی کاٹن فائدہ یا نقصان، زرعی اصلاحات اور روایتی بیج کی تلاش کے موضوع پر عوامی بیداری کے پروگرام کیے گئے۔
- لورالائی میں زرعی ادویات، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے موضوع پر عوامی بیداری کے پروگرام کیے گئے۔
- پاکستان کسان مزدور تحریک کی طرف سے ''اج دی زراعت تے کسان'' کے موضوع پر ملتان سے مست ایف ایم 103 اور سندھ سے ایف ایم 91 ہائی وے خیر پور سے آٹھ آٹھ پروگرام نشر ہوئے۔

معلوماتی دورہ: سری لنکا اور فلپائن

جنوری 2011 میں پاکستان کسان مزدور تحریک کے ساتھیوں نے سری لنکا میں منعقدہ ایشین پیزنٹ کولیشن (Asian Peasant Coalition) کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کولیشن میں سری لنکا، ہندوستان، بنگلہ دیش، نیپال، فلپائن، انڈونیشیاء اور دیگر ممالک سے کسان تنظیمیں شامل ہوئیں۔ اس کولیشن کے مقاصد کسانوں کو یکجا کرنا، ملکی وقومی خودمختاری کے لیے جدوجہد

میں ثابت قدمی، سامراج، عالمگیریت اور جنگ کے خلاف مزاحمت میں تیزی لانا ہے۔اس موقع پر پاکستان کسان مزدور تحریک نے اپنی ممبر شپ حاصل کرنے کی درخواست پیش کی جو کہ منظور کر لی گئی تھی۔

سال 2011 کے دوران پاکستان کسان مزدور تحریک کے ممبران کے لیے روٹس فار ا یکوٹی کی طرف سے فلپائن کا معلوماتی دورہ بھی منعقد کیا گیا۔جس کا مقصد پاکستان کے کسانوں کو دیگر ممالک میں ہونے والی پائیدار زراعت سے آگاہی کے ساتھ ساتھ روایتی بیج جمع کرنے کے طریقہ کار اور بیجوں کی افزائش نسل کے طریقہ کار کو چھوٹے کسانوں میں روشناس کرانا تھا۔

سندھ سے سیڈ بینک کی شروعات

فلپائن کے معلوماتی دورہ کے بعد سیڈ بینک کے قیام کے لیے مستحکم منصوبہ بندی کی گئی۔فلپائن سے لی گئی چاول کی بیج کو سندھ میں ماتلی، خیر پور، گھوٹکی اور شکار پور میں کاشت کر کے سیڈ بینک کی بنیاد رکھی گئی۔اس کے علاوہ پاکستان بھر سے گندم اور سبزیوں کی کئی اجناس تلاش کی گئی جو کہ سندھ کے شہر ماتلی کے پائیدار زرعی ماڈل فارم پر کاشت کی گئیں۔

تبادلہ معلومات

پاکستان کسان مزدور تحریک کے چوتھے سالانہ اجلاس 2011 میں تحریک کی سرگرمیوں کی مزید تفصیلات پیش کرتے ہوئے ممبران نے بتایا کہ ہمارا مقصد چھوٹے اور بے زمین کسانوں کو اکھٹا کرنا ہے تاکہ ہم اپنی طاقت سے اپنے حقوق حاصل کر سکیں۔ پاکستان میں خوراک کے بحران اور روایتی بیجوں کے خاتمے کے حوالے سے پاکستان کسان مزدور تحریک کے دوستوں نے روایتی بیجوں کو بچانے کا فیصلہ کیا۔جن میں سبزیاں اور غلہ وغیرہ شامل ہیں۔اس ضمن میں تحریک کے کچھ دوست فلپائن کا معلوماتی دورہ کرنے گئے۔فلپائن کے معلوماتی دورہ کے دوران ہم نے مشاہدہ کیا کہ فلپائن کے کاشتکار اور چھوٹے کسان ہمارے سائنسدانوں سے بہتر ہیں۔چونکہ فلپائن میں سیلاب بہت زیادہ آتے ہیں اس لیے وہاں کی مقامی روایتی بیج ختم ہوتے جا رہے تھے۔روایتی بیجوں کو بچانے کے لیے فلپائن کے کسان نے اپنی مدد آپ کے تحت نئی اقسام کے بیجوں کی پیداوار (سیڈ بریڈنگ) کے ذریعے کئی ہزار قسم کے بیج تیار کر لیے ہیں۔جن میں مختلف قسم کی خصوصیات جیسے خوشبو، زیادہ پیداوار اور ذائقہ جیسی مختلف خصوصیات موجود ہیں۔ فلپائن کے معلوماتی دورے کے بعد ہم نے بھی کوشش کی کہ روایتی بیجوں کو بچانے کے لیے اس طریقہ کار کو آگے بڑھائیں اور اپنی خوراک کی خود مختاری کو یقینی بنائیں۔

پاکستان کسان مزدور تحریک کے ممبران کے لیے سیاسی تربیت اور تعلیم جاری رکھنی چاہئے۔ جس کے لیے ایک مکمل لائحہ عمل وضع کیا جائے۔ تحریک کے صوبائی رابطہ کاروں میں رابطے کمزور ہیں اور صوبوں کے اندر مختلف اضلاع میں بھی رابطے کے مسائل ہیں۔ سندھ میں اضلاع کے درمیان کافی بہتر رابطہ کاری ہے۔ ہم سب یہاں سیکھنے آئے ہیں اور واپس جا کر ان سب باتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں پھیلائیں گے جس کے لیے ہمیں اپنے اندر اتحاد مضبوط کرنا ہوگا۔ اگر یہ اتحاد مضبوط ہو گیا تو پھر یہ کمپنیاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔

کانفرنس میں شرکاء کے چند اہم سوالات وجوابات اور آراء

سکندر، ملتان، پنجاب

سوال: بی ٹی کیمپئن کیوں چلائی گئی؟ بی ٹی کپاس کے کیا نقصانات ہیں؟ اور اگر بی ٹی کاشت نہ کی جائے تو دوسرے بیج کہاں سے لیے جائیں؟ پنجاب میں سیڈ بینک کس ضلع میں بنائے گئے ہیں؟

جواب: راجہ مجیب نے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا بیج بنانے والی عالمی کمپنی 'مونسانٹو' نے ایک جراثیم جسے بی ٹی (Bacillus Thuringiensis) کہا جاتا ہے سے ایک جین نکال کر کپاس کے بیج میں شامل کیا ہے۔ بی ٹی کپاس کی کاشت میں نقصان یہ ہے کہ وہ گرمی برداشت نہیں کرتی اور گرمی کی وجہ سے بی ٹی کپاس کے پودے سے (گوگڑہ یا پھول) جھڑ جاتا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ بی ٹی کی فصل زیادہ عرصے تک زمین پر لگی رہتی ہے جس کی وجہ سے گندم کی کاشت نہیں ہو سکتی۔ گندم ہماری خوراک کی ضرورت پوری کرتی ہے، اگر ہم گندم نہیں اگائیں گے تو کھائیں گے کیا؟ بی ٹی کی کاشت میں پانی کی مقدار کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اس وقت پاکستان میں پانی کا بہت زیادہ بحران ہے۔ ٹیوب ویل ڈیزل پر چلتا ہے جو کہ مزید خرچہ ہے۔ بی ٹی کپاس پر کیڑوں کا حملہ ہوتا ہے۔ امریکن سنڈی کے علاوہ دیگر کیڑے بھی حملہ کرتے ہیں اور کاشتکار کو زیادہ اسپرے کرنا پڑتا ہے۔

سعید گل لالہ، لوئر دیر، خیبر پختونخواہ

سوال: پچھلے چار سالوں میں کیے گئے سیاسی پروگراموں کے نتیجے میں زہر کے استعمال میں کتنی کمی آئی ہے اور روایتی بیجوں کی کاشت میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟

جواب: ڈیوڈ رحمت نے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پنجاب کے مختلف چکوک میں روایتی بیج کاشت ہو رہے ہیں اور کاشت کار آپس میں روایتی بیجوں کی لین دین بھی کر رہے ہیں۔ راجن پور میں بہت سارے کسانوں نے بی ٹی کی کاشت ترک کرنے کے علاوہ سبز کھاد کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے۔

سوال: ملتان سے آئے ہوئے ایک مہمان نے سوال کیا کہ اگر ادویات، کھاد وغیرہ چھوڑ دیں گے تو کیا ہماری خوراک کی ضروریات پوری ہو سکیں گی؟ اس کے لیے کیا لائحہ عمل بنایا گیا ہے؟

جواب: الطاف حسین نے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر دو ایکڑ زمین پر تقریباً 100 کلوگرام ہائبرڈ مکئی کی کاشت کی جائے تو 800 روپے ایک گھنٹے کے حساب سے ٹریکٹر کا خرچہ ہے۔ 4200 روپے کی ڈی اے پی کی بوری ملتی ہے۔ ایک ایکڑ پر دو بوری دو مرتبہ کے حساب سے یوریا کھاد ڈالنی پڑتی ہے جبکہ 1800 روپے ایک بوری کھاد کی قیمت ہے۔ اگر اتنے سارے اخراجات کو جمع کیا جائے تو ایک فصل کاشت کرنے کا خرچہ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ ہائبرڈ بیج کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ جبکہ روایتی بیج کی قیمت کم ہوتی ہے، کسان چارے اور گوبر سے اپنی کھاد خود بنا سکتا ہے۔ جو کہ نصف خرچ پر بھی زیادہ پیداوار دے سکتی ہے۔

دوسرا سیشن: معاشی بحران

سرمایہ دارانہ نظام کا موجودہ بحران

ڈاکٹر شاہدہ وزارت

ڈاکٹر شاہدہ وزارت نے سرمایہ دارانہ نظام کے اندر موجود بحران کے حوالے سے کہا کہ دنیا میں مختلف عوامل نے مل کر موجودہ معاشی، سیاسی اور سماجی بحران کھڑے کردیے ہیں۔ تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر شاہدہ وزارت نے کہا 1920 کے آخر میں دنیا کی معیشت کو شدید قسم کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑا اور بڑی بڑی کمپنیاں دیوالیہ ہوگئیں۔ جس کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک میں طلب کی کمی کے بعد معیشت میں اتار چڑھاؤ دیکھا گیا اور اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک نے ایک نئے معاشی نظام کو وضع کیا جس میں دھاتوں، لکڑی اور پلاسٹک کی طلب کو بڑھایا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے 2001 تک دنیا کی معیشت میں کوئی تناؤ نہیں آیا اور نیو کنزرویٹزم (neoconservatism) اور نیو لبرل ازم (neoliberalism) کے حامی یعنی سرمایہ دارانہ نظام کے حامی یہ سوچنے لگے کہ وہ اس بحران سے نکل چکے ہیں۔ دنیا میں نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے دوران نوآبادیاتی حواریوں نے مختلف ممالک کے درمیان کئی تنازعات (جیسے کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مسئلہ کشمیر) پیدا کیے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ ممالک آپس میں لڑتے رہیں اور ان کو اسلحے کی طلب ہوتی رہے جس سے سرمایہ داری نظام چلتا رہے گا۔ 2001 تک ایسا لگا کہ واقعی اس 'مستقل اسلحہ معیشت' (Permanent Arms Economy) نے سرمایہ داری نظام کو بحران کے مسئلہ سے نکال دیا ہے۔ مگر 2001 میں جب 9/11 کا واقعہ پیش آیا تو ترقی یافتہ ممالک کی حکومتوں نے اپنے کل اخراجات میں سے ملٹری اخراجات کو بڑھا دیا۔ جنگی معیشت کے معرض وجود میں آنے کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک میں تعلیم، صحت عامہ اور بنیادی ڈھانچہ کے اخراجات میں بے انتہا کٹوتی ہوئی اور غربت کی شرح میں

اضافہ ہوا۔اس طرح امیر ملکوں میں جو اوسط آمدنی والے لوگ ہیں ان کی آمدنی بہت کم ہوگئی اور معیار زندگی پر اثر پڑا۔جس مستقل اسلحہ معیشت نے سرمایہ داری کو اس Boom & Bust یعنی ایک دم سے ترقی اور پھر ڈھیر ہو جانے والے عمل سے نکالا تھا اس کو ایک ایسے نہج پر لایا گیا کہ 2001 میں 9/11 کے بعد پھر اس کی وجہ سے بہت سی جنگی معیشتیں معرض وجود میں آئیں اور ترقی یافتہ ممالک بھی غربت کا شکار ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد فاتح قومیں اپنی اپنی معیشت کو برقرار رکھنے کے لیے بریٹن وڈز (امریکا) میں جمع ہوئیں اور انھوں نے دنیا کو (سرمایہ داری ہی کی بنیاد پر) ایک نیا نظام دیا جو کہ Structuralist Economics پر مبنی تھا۔اس نظام میں مملکت معیشت پر دخل انداز ہو رہی تھی اور معیشت کو قاعدے کے تحت درست کرتی تھی۔ یہ نظام 1945-1970 کی دہائی تک چلتا رہا اور خاص کر ترقی یافتہ ممالک اور ترقی پذیر ممالک میں کافی خوشحالی لایا۔ 1970 کے آخر سے اس نظام کے خلاف ایک ردعمل شروع ہوا اور انھوں نے کہنا شروع کیا کہ مملکت کی دخل اندازی کی وجہ سے بہت نا اہلیاں (inefficiencies) پیدا ہوتی ہیں۔دائیں بازو کی سوچ رکھنے والے ماہر معاشیات جن میں دیپک لال، بوئیر (Boyer) وغیرہ نے اس نظام کی خرابیاں بتانی شروع کی اور کرپشن کے خلاف لکھا۔مثلاً انھوں نے امریکا اور برطانیہ کے دائیں بازو کے اخبارات مثلاً نیو یارک ٹائمز، لندن ٹائمز میں مقالے لکھے اور انھیں شائع کرنا شروع کیا۔ یہ وہی وقت تھا جبکہ امریکا میں رونلڈ ریگن صدر اور برطانیہ میں مارگریٹ تھیچر پرائم منسٹر تھیں۔اس کی وجہ سے سرمایہ داری کے اندر رہتے ہوئے ایک نیا نظام وجود میں آیا جسے نیو لبرل ماڈل (neoliberal model) یا انقلاب کو الٹنے والی سوچ (counter revoultion) بھی کہتے ہیں۔اس نظام کے چار اہم پہلو ہیں۔

1۔نجکاری	2۔آزاد تجارت
3۔حکومت کے اخراجات میں کمی	4۔مملکت کے کردار کو کم کرنا

1970 کی دہائی کے آخر سے دنیا کی تمام حکومتوں نے اس نئے نظام کو اپنانا شروع کر دیا۔ان پالیسیوں کا ایک اہم جز جو کہ ورلڈ بینک کی بتائی ہوئی پالیسیز کا ہے ''قیمت صحیح کرو'' (get the price right) کی ہدایت کرتا ہے۔یعنی بنیادی طور پر اپنے ملک کی قیمتوں کو عالمی قیمتوں کے برابر لانے کے عمل پر زور دیتا ہے۔مثال کے طور پر ترقی پذیر ممالک میں کھانے پینے کے اجزاء اور زرعی اجناس کی قیمتیں بہت کم ہیں اس لیے زور دیا گیا ہے کہ ان کو عالمی منڈیوں کے برابر لایا جائے۔مگر اس پالیسی پر بہت شدید اعتراضات ہوئے۔ماہر معاشیات ہینز سنگر (Hans Singer) کا کہنا تھا اگر زرعی اجناس کی عالمی قیمتیں فری مارکیٹ کی بنیاد

پر ہوتی تو ایک بنیاد یہ بھی ہوسکتی تھی کہ ترقی پذیر ممالک اپنی قیمتوں کو ان فری مارکیٹ قیمتوں کے برابر لاسکیں۔مگر عالمی منڈیوں میں یہ قیمتیں فری مارکیٹ کے بل بوتے نہیں ہیں بلکہ بگڑی ہوئی قیمتیں ہیں۔اس کی وجہ ترقی یافتہ ممالک کی بھاری سبسڈی یا مراعات ہیں جو وہ اپنے کسانوں کو دیتے ہیں۔ان مراعات کی وجہ سے یہ قیمتیں بنتی ہیں اس لیے ہمارے پاس ترقی یافتہ ممالک کی زرعی اجناس کی قیمتوں کو بنیاد بناتے ہوئے اپنے اجناس کی قیمتوں کو ان کے برابر لانے کا کوئی جواز نہیں۔

مگر بہر حال ہماری حکومتیں ان کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن جاتی ہیں تو اس لیے نیولبرل ماڈل کے آنے کے بعد سے زرعی اجناس کی قیمتوں میں بہت اضافہ ہوا اور پاکستان میں 2008 کے بعد خوراک کے تحفظ کا مسئلہ سامنے آیا۔ان مسائل کے زیادہ تر شکار کسان مزدور اور درمیانہ طبقہ ہو رہا ہے۔نیولبرل ازم کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر صحت عامہ اور تعلیم کے اخراجات میں کٹوتی کی گئی ہے۔جب لبرل ازم رائج کیا گیا تو ریگولیشن کو ختم کر دیا گیا جس کی وجہ سے بینکوں اور مالیاتی اداروں نے قرضہ جات کی پالیسیوں کو بھی زیادہ آزاد بنا دیا۔اس کی وجہ سے سب پرائم لینڈنگ (Sub Prime Lending) شروع ہوگئی۔سٹے بازی (speculation) بڑھ گئی۔ان عوامل نے 2008 کے بحران کو جنم دیا اس میں ترقی یافتہ ممالک بھی زد میں آگئے کیونکہ یہ بحران ان کے ہاؤسنگ اسکیم سے شروع ہوا جو کہ ایسی پالیسیوں کے لیے بڑا مارکیٹ تھا۔بہت سے بینک اور مالیاتی ادارے جو گھروں کے لیے قرضہ نہیں دیتے تھے انھوں نے بھی اس شعبہ میں قرضے دینے شروع کر دیے جس سے مزید بحران آگیا۔یہ اس وقت ہوا جب امریکا کی حکومت صحت اور تعلیم پر کٹوتیاں کر رہی تھی اس وجہ سے لوگوں کی آمدنی پر مزید بوجھ پڑ رہا تھا۔اب حکومت نے افراط زر سے لڑنے کے لیے شرح منافع بڑھا دیا۔لوگوں کی آمدنی کم ہو رہی تھی اور وہ گھروں پر لیے گئے قرضے ادا نہیں کر پا رہے تھے۔کمپنیوں کے بہت سے شیئرز میں قیمتیں گرنے لگیں اور بحران پھیلتا ہوا پیداواری شعبے میں آگیا جس نے امریکہ کو بری طرح اپنے شکنجے میں لے لیا۔اس بحران نے یورپ، ایشیاء اور جاپان میں بھی اپنے اثرات دکھائے۔

امریکا، یورپ اور ایشیاء کے ممالک کی حکومتوں نے 2008 میں پیدا ہونے والے معاشی بحران سے نمٹنے کے لیے کمپنیوں اور مالیاتی اداروں کو سہارا دینے کے لیے کھربوں ڈالر دیے جس کی وجہ سے وہ سمجھنے لگے کہ وہ اس بحران سے باہر آگئے ہیں۔تیسری اہم چیز جس کی جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ قدامت پسند (neoconservative) سیاسی پالیسیاں ہیں جن کی وجہ سے دو سپر پاورز یا بڑی طاقتیں امریکا اور سویت یونین میں آپس میں محاذ آرائیاں ہونے لگی اور سویت یونین کا شیرازہ بکھر گیا۔اس طرح امریکا واحد سپر پاور بن گیا۔سال 2011 میں سی آئی اے نے اپنی رپورٹ میں نشاندہی کی ہے کہ 2015 تک دنیا کہاں ہوگی۔ان کا ارادہ ہے کہ دنیا کو جنگ کا میدان بنا دیا جائے، تمام ممالک کے فوج کے اخراجات بڑھا دیے جائیں، سماجی شعبے کے اخراجات کم کر دیے جائیں تا کہ سرمایہ داری اور نیولبرل پالیسیز کو جاری رکھا جائے۔جنگی معیشت کو برقرار رکھنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک مزید قرضے لے رہے ہیں جو کہ یوروزون کو لے ڈوبے گا۔جیسے آج دہشت گردی کے خلاف جنگ کی

پاکستان میں پہلی حکومتوں جیسے نواز لیگ، پی پی پی، مشرف کے معاشی منتظم بھی وہی (یعنی سرمایہ دار ممالک) تھے اور اس حکومت کے بھی وہی ہیں۔ اب یہ لوگ پاکستان میں تحریک انصاف میں دلچسپی لے رہے ہیں تاکہ کوئی ایک پارٹی برسراقتدار نہ آسکے۔ اس لیے کوئی تبدیلی ہوتی نظر نہیں آرہی۔ پاکستان میں کسان مزدور، محنت کش عورتوں کی تنظیمیں ایک ایسی قوت ہیں جو تبدیلی لاسکتی ہیں اور یہ طے کرسکتی ہیں کہ ہمارا لائحہ عمل کیا ہوگا۔ لیکن اس قوت کے ساتھ ساتھ علم کی قوت مل جائے تو تبدیلی جلد ممکن ہوگی۔ حکومت بین الاقوامی مالیاتی ادارے آئی ایم ایف سے سمجھوتے کر رہی ہے۔ 1990 کے حالات اور آج کے حالات ایک جیسے ہیں اور اس حوالے سے ایسی حکمت عملی تیار کرنی چاہیے جو کسان دوست عالمی اداروں کو کسانوں اور مزدوروں کے ساتھ جوڑ سکے۔ اس طرح تحریکوں کو زیادہ فائدہ ہوگا اور مزید یہ اوکیوپائی وال اسٹریٹ (Occupy Wall Street) جیسی تحریکوں سے مل کے اس دنیا میں ایک نیا نظام لانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

تبصرہ

ڈاکٹر عذرا طلعت سعید

ڈاکٹر عذرا طلعت سعید نے ڈاکٹر شاہدہ وزارت کے مقالے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحبہ نے 1920 کی دہائی میں شروع ہونے والے معاشی بحران سے لے کر موجودہ حالات تک جوڑا ہے۔ یہی نظریہ ہمارے سیاسی تعلیمی پروگرام کا رہا ہے۔ پہلے ہم ان پالیسیوں کو اپنے حالات یعنی تیسری دنیا اور پاکستان سے جوڑتے رہے ہیں۔ آج ڈاکٹر شاہدہ وزارت نے ان پالیسیوں اور ان کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کو پہلے دنیا کے معاشی بحران سے جوڑا ہے۔ حالیہ بحرانوں کی وجہ سے مغرب میں ''قبضہ تحریک'' (Occupy Movement) اٹھی ہے۔ اس مومنٹ کی لہر مغرب کے مڈل کلاس طبقے یعنی پڑھے لکھے کو دی گئی سہولتوں کی کٹوتی کے نتیجے میں اٹھی ہے اور اس تحریک میں طالب علموں نے بھی بڑے پیمانے میں شرکت کی ہے لیکن یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب پہلی دنیا کے کھاتے پیتے طبقے کی سہولتوں میں کٹوتی ہوئی تو اتنا شور اٹھا۔ جب کہ ہمارے یہاں تیسری دنیا میں ایسے طبقات سے کوئی آواز نہیں جن کے پاس بہت ہی کم سہولتیں ہیں اور ان کے لیے زندگی کی شدید ضروری اشیاء کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہوتا نظر آ رہا ہے۔

ہمیں تحریک کے پلیٹ فارم سے ملک کے کسان مزدوروں، شاگردوں، اساتذہ اور نوجوانوں کو جوڑنا ہوگا۔ اس وقت حکومتیں بہت کمزور ہیں، سامراج بہت کمزور ہے۔ حکومتوں کو بحران کا سامنا ہے اور اس موقع کا ہم فائدہ اٹھائیں تو ہم غالب آ سکتے ہیں، کیونکہ ہم غربت، بھوک افلاس اور بے روزگاری سے لڑ رہے ہیں۔ اتنے سارے مسائل کے باوجود ہم کیوں کھڑے نہیں ہوتے؟ کیوں جواب نہیں دیتے؟ عرب ممالک میں اٹھی ہوئی تحریکیں امریکا تک پھیل گئی ہیں۔ لیکن یہ تحریکیں کمزور ہیں جن کے پاس کوئی لائحہ عمل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی سیاسی منشور ہے۔ اس کے برعکس ہم اپنے مقصد میں واضح ہیں۔ کیا ہم نے زمینی اصلاحات نہیں مانگے؟ کیا ہم نے غذا پر پورا حق نہیں مانگا؟ کیا ہم نے ماحولیاتی طور طریقے سے نمٹنے کے لیے زرعی اصلاحات اور پائیدار زراعت کا لائحہ عمل پیش نہیں کیا؟ ہمارا مقصد بہت واضح ہے تو ہم ان سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں اور ان سے آگے جا سکتے ہیں۔ شاید ہمارے لیے یہ نئی بات ہے کہ ہم اساتذہ سے جڑ کر اپنی بات آگے لے کر جائیں لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جو لائحہ عمل مزدور اپنے لیے خود سے بنا سکتا ہے اور جو وہ اپنے حالات کا تجزیہ خود سے کر سکتا ہے اس سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔

کانفرنس میں شریک حضرات کے چند اہم سوالات و جوابات اور آراء

راجہ مجیب، گھوٹکی، سندھ

سوال: کسان گاؤں اور دیہاتوں میں رہتے ہیں اور ان کو زیادہ تر تحریکوں کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ جیسے قبضہ تحریک وغیرہ تو اس حوالے سے کیا حکمت عملی جوڑی جائے؟

جواب: اس سوال کا جواب پی کے ایم ٹی کے ممبر علی اکبر نے دیتے ہوئے کہا قبضہ تحریک کی وجہ سرمایہ داری نظام ہے۔ لوگ اس تحریک کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں لیکن اس کے سیاسی سماجی تناظر کا پتہ نہیں ہے چاروں طرف انارکی (anarchy) نظر آ رہی ہے۔ اگر ہم تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ سویت انقلاب اور چین انقلاب کے بعد برصغیر میں بائیں بازو کی سیاست کا کافی حد تک پرچار ہوا لیکن روس کے بکھرنے کے بعد برصغیر میں بائیں بازو کی تحریکیں بھی دم توڑ گئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تحریکوں کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ ہر کوئی تنہائی میں کام کر رہا ہے۔ ہمیں اپنے اپنے رابطے بڑھانے چاہئے اور لوگوں کو خود سے جوڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس طرح سے ان کی سمجھ میں اضافہ ہوگا۔

علی نواز جلبانی، گھوٹکی، سندھ

سوال: ہم نے انگریزوں کے حوالے سے دو متضاد رائے سنی ہیں، ایک رائے کے لوگوں کا خیال ہے کہ انگریز نہ آتے تو ترقی نہ ہوتی اور دوسری رائے کہ انگریزوں نے استحصال کیا یہ دونوں رائے واضح ہونا چاہیے؟ کیا نو آبادیاتی نظام کسی ملک کے لیے اچھا ہے یا برا؟

جواب: ڈاکٹر شاہدہ وزارت نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ نو آبادیاتی حکومتیں ہم لوگوں کے لیے سہولتیں پیدا کرنے کے لیے نہیں آئی تھیں۔ انگریزوں نے ایشیاء میں صنعتوں کو ختم کروا دیا۔ مثال کے طور پر ڈھاکا میں ململ کے کپڑوں کی بہت بڑی صنعت تھی جس کو بند کروانے کے لیے لوگوں کے انگوٹھے کاٹے گئے۔ انگریزوں نے پورے ملک میں ریلوے لائن اس لیے بچھائیں تاکہ خام مال اور زرعی اجناس کو بندرگاہ تک لے جایا جائے۔ یورپ میں صنعتی انقلاب ہندوستان کے پیسے سے برپا ہوا اس حوالے سے مزید معلومات کے لیے اسماعیل حسین زادے کی کتاب ''دی پولیٹیکل اکانومی آف یو ایس ملٹری ازم'' پڑھنی چاہیے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ سترھوی، اٹھارویں اور انیسویں صدی کا جو نو آبادیاتی

نظام تھا اس میں ترقی یافتہ ممالک کے عام شہریوں کو فائدہ پہنچا اور وہ بھی اس نظام سے کچھ مستفید ہوئے۔ مگر انھوں نے کہا کہ آج کا جو نوآبادیاتی نظام ہے وہ صرف بڑے بڑے ٹھیکیداروں اور بڑی بڑی کمپنیوں کو ترقی یافتہ ممالک میں فائدہ پہنچا رہا ہے اور ترقی یافتہ ممالک کے بھی جو عام شہری ہیں ان کو اس نئے طرز کے نظام سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی حکومتوں نے عام سہولیات میں کٹوتی کی ہے۔ عوام کی نوکریاں ختم کی گئی جس کی وجہ سے وہ باہر نکل آئے ہیں اور وال اسٹریٹ کی موومنٹ شروع ہو رہی ہیں۔ پچھلی صدیوں کا جو نوآبادیاتی نظام تھا اس نے ترقی یافتہ ممالک میں عام شہریوں کو تو مستفید کیا مگر آج ان شہریوں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں اور جس طرح ترقی پذیر ممالک کے عوام کا اس میں نقصان ہے اسی طرح ترقی یافتہ ممالک کی عوام کا بھی نقصان ہے۔

ڈاکٹر عذرا طلعت سعید نے نوآبادیاتی نظام پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ نوآبادیاتی نظام کا اثر ہماری تعلیم سے واضح ہوتا ہے۔ ہمارے دانشور، معیشت دان، میڈیکل ڈاکٹر ہر شعبہ میں انگریزی کا استعمال کرتے ہیں اور ہر شعبہ اس زبان کے بلبوطے چلتا ہے۔ ہمارے ملک میں علاقائی زبانیں بھی ہیں لیکن سرکاری زبان انگریزی ہے۔ جب انگریزی بولی جاتی ہے تو عوام احساس کمتری کا شکار ہوتی ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ وہ دانشوروں سے کم درجہ پر ہے۔ انگریزی بولنا ذہانت کی نشانی نہیں لیکن انگریزی بولنا سرکار اور ظالم ہونے کی نشانی ضرور ہے۔ ہم سب کو انگریزی زبان سے مرعوب ہونا سکھایا گیا ہے۔

فرمان اللہ، چارسدہ، خیبر پختونخواہ

فرمان اللہ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا سرمایہ دارانہ نظام زوال پذیر ہو رہا ہے تو ایک ایسا نظام ہونا چاہیے جس میں محنت کش طبقہ آسودہ حال ہو اور اب نئی صورتحال یہ پیغام دے رہی ہے کہ جاگیردارانہ نظام، سرمایہ دارانہ نظام ناکام ہو چکا ہے۔ ہمیں استحصال سے پاک معاشرہ وجود میں لانا ہوگا۔

گل برکت علی ناپر، شکارپور، سندھ

برکت علی نے اپنی آراء دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کسان مزدور تحریک کی میگزین ہمارے ایڈریس پر ڈاک کے ذریعے بھیجی جائے اور انگریزی الفاظ کا استعمال کم کریں تاکہ مواد ہمیں سمجھ آئے۔

ڈاکومینٹری: ویران کھیت

کانفرنس میں نوید اقبال کی ڈائیریکشن میں تیار کردہ ایک ڈاکومینٹری شرکاء کو دکھائی گئی۔ اس ڈاکومینٹری میں بتایا گیا:
پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ جس کا قابل کاشت رقبہ ملک کے کل رقبے کا تقریباً 25 فیصد ہے۔ ملک کی دیہی آبادی کا 70 فیصد حصہ زراعت کے شعبے سے وابستہ ہے۔ ملک کے 25 فیصد جی ڈی پی کا حصہ زراعت کے شعبے سے آتا ہے لیکن اعداد و شمار سے ہٹ کر اگر آج کے پاکستان پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں غربت، مہنگائی، بھوک، بیماری اور ماحولیاتی تباہ کاریوں جیسے ہولناک مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

"پاکستان اور ہندوستان کے حوالے سے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہاں پر کھیتی باڑی کم از کم سات ہزار سال سے ہو رہی ہے اور موہنجوداڑو، ٹیکسلا، ہڑپہ میں اس بات کے واضح نشانات ہیں کہ یہاں پر بہت بڑے پیمانے پر نہ صرف کھیتی باڑی ہوتی تھی بلکہ لوگوں کے درمیان اناج کی منتقلی بھی تھی"۔

اٹھارہویں صدی میں تجارت کی غرض سے آنے والے انگریزوں نے اس سرزمین پر قبضہ کرتے ہوئے وسائل کے حصول کے لیے یہاں آباد لوگوں کو تقسیم کر کے نہ صرف سامراجیت کی جڑوں کو مضبوط کیا بلکہ برٹش راج نے اپنے ظلم کو آگے کرنے کے لیے زمین کے بڑے حصے ان لوگوں میں تقسیم کیے جو کہ ان کے تابع تھے۔ اس طرح ظلم کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ دوسری طرف انگریز سرکار نے یہاں کی زراعت کو ایک نئی شکل دی کیونکہ ان کے مطابق یہ زراعت ایک پائیدار طریقہ زندگی نہ تھا بلکہ منافع کمانے کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ اس طرح برطانیہ اور یورپ کی منڈیوں کے لیے زرعی پیداوار کا ایک بہت بڑا حصہ برصغیر سے منتقل ہونا شروع ہوا۔

ڈاکومینٹری نے سبز انقلاب کے حوالے سے معلومات فراہم کیں جس میں بتایا گیا کہ برصغیر کی تقسیم کے بعد امریکا نے دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کا ڈھونگ رچاتے ہوئے سبز انقلاب کی ٹیکنالوجی متعارف کروائی۔ اس پالیسی پر 1950 کی دہائی پر بڑے پیمانے پر کام ہوا اور 1960 کی دہائی میں یہ ٹیکنالوجی پاکستان میں متعارف ہوئی۔ جس کے ذریعے نئے طرز کا بیج لایا گیا جس کو معجزاتی بیج بھی کہا جاتا ہے۔ اس بیج کو اگنے کے لیے یوریا، ڈی اے پی اور زہریلی کھاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ٹیکنالوجی نے نئے بیجوں، کیمیائی کھاد اور ادویات کے استعمال کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ زراعت کو ایک پائیدار طریقہ زندگی

سے ہٹا کر زیادہ پیداوار سے جوڑ دیا۔ اس پیداوار کے حصول کے لیے کسانوں نے کیمیائی زرعی مواد کا بے دریغ استعمال کیا جس سے زمین کی زرخیزی ختم ہوگئی۔ پورے ماحول میں زہر پھیل گیا یعنی چرند پرند، شہد کی مکھی اور کئی طرح کے کیڑے مکوڑے جو کہ زمین کے لیے بہت فائدہ مند تھے ختم ہو گئے۔ اس زہر سے انسانی صحت بھی متاثر ہونا شروع ہوئی اور خوراک میں اضافہ کرنے کے وہ دعوے جو سبز انقلاب کے ساتھ آئے تھے ڈھیر ہوتے گئے۔

ڈاکومینٹری میں شکارپور کے کسان گل محمد نے اپنی معلومات دیتے ہوئے کہا:

''پہلے ہم اپنی زمین میں دیسی گندم (سندھی) کا چھٹا کرتے تھے۔ لیکن پانی نہیں دیتے تھے۔ قدرتی بارش ہوئی یا نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ایک ایکڑ پر 25 سے 26 من گندم حاصل کر لیتے تھے۔ یوریا ہمارے سامنے پہلی مرتبہ پورا ٹرک بھر کے لایا گیا جسے وہ کسی بھی ہاری کے کھیت میں ایسے ہی پھینک کے چلے گئے۔ پھر وہاں سے لوگوں نے کٹے بھر کے زمینوں میں استعمال کئے۔ جہاں جہاں یہ یوریا استعمال کی گئی وہاں چاول کی فصل کی پیداوار بڑھنے لگی اور اس طرح لوگوں نے اس کا استعمال کرنا شروع کیا۔ اس سے پہلے یوریا وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا تھا اور فصلیں اچھی ہوتی تھی''۔

اس حوالے سے شعبہ جینیات، کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر کوارڈینیٹر شکیل آر فاروقی کہتے ہیں:

''پاکستان نے 60 کی دہائی میں گندم میں اضافے کا ورلڈ ریکارڈ قائم کیا تھا لیکن پھر 70، 80 اور 90 کی دہائی میں یہ گندم کے بحران کا شکار ہو گیا اور اب ہمارے سر پر ہر وقت یہ تلوار لٹکتی رہتی ہے کہ ہمارے ہاں کب ایک دم غذا اور خوراک کا بحران پیدا ہو جائے گا''۔

ویران کھیت میں جینیاتی انقلاب اور اس کے اثرات پر کافی تفصیل سے معلومات دی گئی ہیں۔ سبز انقلاب کی ناکامی کا مغربی دنیا نے ایک اور غیر فطری ٹیکنالوجی جسے جینیاتی انقلاب بھی کہا جا رہا ہے کے ذریعے جواب دینے کی کوشش کی۔
اس حوالے سے کنزیومر یونین یو ایس اے (Consumer Union, USA) کے سینئر سائنسدان مائیکل ہنسن نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا:
''جینیاتی انقلاب میں قدرت کی تخلیق کردہ چیزوں میں مداخلت کرنے کو ٹیکنالوجی کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی اس طریقہ کار سے آپ کرہ ارض پر پائے جانے والے کسی جاندار سے جینز (genes) کا ملاپ کر سکتے ہیں۔ اس غیر اخلاقی طریقہ کار سے آپ کسی بیکٹریا اور جانور وغیرہ کی جینز اٹھا کر پودوں میں منتقل کر سکتے ہیں اور اس طرح ان میں اپنی مرضی کی خصوصیات لا سکتے

ہیں‘‘۔

سبز انقلاب کی طرح جینیاتی انجینئرنگ کا بھی یہی وعدہ ہے کہ آپ جینیاتی انقلاب سے اس قابل ہو جائیں گے کہ سستا اور غذائیت والا کھانا پیدا کرسکیں گے۔ سبز انقلاب کے ذریعے کیمیائی ادویات کے استعمال کو فروغ دیا گیا اور نتیجے میں ماحول اور خوارک کے بحران جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اب جینیاتی انقلاب میں کیمیائی زرعی ادویات کا استعمال کم ہونے کے ساتھ دنیا کا کھانا پورا ہونے کے دعوے کو پیش کیا جارہا ہے۔ صرف گنتی کی چند ایک کمپنیوں نے جینیاتی انقلاب کے ذریعے اب تک جانداروں میں زیادہ تر خصوصیات کو پیدا کیا ہے اور یہ وہی بڑی کمپنیاں ہیں جو کیمیائی زرعی ادویات فروخت کرتی ہیں۔ دنیا بھر میں جینیاتی فصلوں کی ہونے والی کل کاشت کے تقریباً 80 فیصد رقبے پر جڑی بوٹی مار ادویات سے مزاحمت رکھنے والی اقسام کاشت ہوتی ہے اور ان پر صرف کمپنی کی ہی تیار کردہ زرعی کیمیائی ادویات استعمال ہوسکتی ہے۔ یقیناً یہ کمپنیوں کے بڑے فائدے میں ہے۔

کیمیائی ادویات کے نقصان دہ اثرات پر ماہرین کی آراء:

اس حوالے سے پیسٹی سائیڈ ایکشن نیٹ ورک، ایشیاپیسیفک (PANAP) کی ایگزیکیٹو ڈائریکٹر اور سرگرم کارکن سارو جینی کہتی ہیں:

’’گلائیفو سائیڈ جو کہ جڑی بوٹی کش دوا ہے اس کے بطور کیڑے مار دوا کے بھی کئی ایک مسائل ہیں۔ پیرا گوئے میں گیارہ سالہ بچہ سویا کے کھیتوں میں اسپرے کی زیادتی کی وجہ سے مرگیا اور اس کے دو بھائی بھی بیمار ہوئے۔ گلائیفو سائیڈ جو کہ بظاہر بے ضرر معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے اثرات بڑے لمبے عرصے تک چلتے ہیں۔ گلائیفو سائیڈ کینسر کی وجہ بنتا ہے اور جانوروں اور انسانوں کے اینڈوکرائن ہارمونز کو متاثر کرتا ہے۔ کیمیائی زرعی ادویات کا استعمال ان کھیتوں میں جہاں جڑی بوٹی مار ادویات سے مزاحمت رکھنے والی فصل اگائی جاتی ہیں بڑی تیزی سے بڑھا ہے۔ امریکہ میں جہاں پر یہ فصلیں کاشت کی جاتی ہیں، کیمیائی زرعی ادویات کا استعمال تقریبا ۳۰ فیصد بڑھا ہے‘‘۔

اس حوالے سے فلپائن کے ایک ادارے ماسی پاگ (Masipag) کے نیشنل کوارڈینیٹر ڈاکٹر چیتو مدینہ کہتے ہیں:

’’جینیاتی انجینئرنگ سے تیار کردہ فصلوں میں عام طور پر جینیاتی تنوع کی بنیاد بہت ہی محدود اور یکساں ہے۔ جس کی وجہ سے بی ٹی کی فصلیں جو کہ کیڑوں کے خلاف مزاحمت رکھتی ہیں، حقیقت میں مزید مسائل کو جنم دیتی ہے۔ بالآخر پودوں میں کیڑوں کے

خلاف مزاحمت کو ختم کر دیتی ہے جس کی وجہ سے غیر متوقع دوسرے درجے کے حشرات اور بیماری فروغ پاتے ہیں اور فصل کو متاثر کرتے ہیں''۔

پاکستان کسان مزدور تحریک سندھ کے صوبائی رابطہ کار راجہ مجیب نے اس حوالے سے مزید بتایا کہ:

''آہستہ آہستہ یہ زہر فصلوں سے نکل کر ہماری زندگیوں میں ظاہر ہونے لگا ہے۔ بیج کا یہ زہر پانی، خوراک ہر جگہ شامل ہوجاتا ہے اور ہماری پوری زندگی کے دائرے کار میں جا کر پھیل جاتا ہے''۔

پاکستان کسان مزدور تحریک سندھ کی ممبر سینت نے اس حوالے سے مزید معلومات دیتے ہوئے کہا کہ:

''اس نئی بیج میں دوائی کے استعمال سے بیماریاں بہت زیادہ پھیلنے لگی ہیں جن میں خارش، چکر آنا اور آنکھوں کی بینائی کا متاثر ہونا شامل ہے۔ ہاری چونکہ کھیت میں کام کرتے ہیں تو وہ ان بیماریوں سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ جانور بھی اس کو کھاتے ہیں تو بیمار پڑ جاتے ہیں اور کبھی مرجاتے ہیں''۔

پاکستان کسان مزدور تحریک سندھ کی ممبران سونی بھیل کے مطابق:

''کپاس کی چنائی کے دوران عورتیں خارش کی بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہیں ہاتھ خراب ہونے لگتے ہیں۔ کپاس کی چنائی کا اثر عورتوں پر زیادہ ہوتا ہے اور اگر عورت حمل سے ہو تو اس کے بچے کو پیٹ کے اندر بھی اثر ہو جاتا ہے''۔

مائیکل ہنسن نے اس حوالے سے بتایا کہ:

''ارجنٹائن میں موجود ایک قدیم آبادی کے اردگرد سویابین وسیع رقبے پر کاشت کی جاتی ہے جس پر بہت زیادہ اسپرے ہوتا ہے۔ ارجنٹائن کے لوگوں نے یہ بات محسوس کی کہ اس قدیم آبادی کے اندر رہنے والے کسانوں میں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زچگی کے مسائل میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے''۔

اس طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جینیاتی فصلوں پر کیمیائی ادویات کے کم سے کم استعمال کا دعوی بھی فصل میں نئے قسم کے کیڑے نمودار ہونے کے ساتھ دم توڑتا گیا۔ مغربی سرمایہ دار طاقتوں نے نہ صرف اپنا سرمایہ بڑھانے کے لیے ہم جیسے زرعی مما لک سے معاشی، معاشرتی اور ماحولیاتی ہر سطح پر کھلواڑ کھیلا بلکہ اپنے سرمائے کو تحفظ دیتے ہوئے ہمارے کسانوں کی صدیوں پرانی روایت پر اپنا قبضہ جمالیا۔

ذہنی ملکیت کے معاہدوں کی تاریخ

اس حوالے سے دہلی، انڈیا کی وکیل شالنی بھوٹانی کا کہنا ہے کہ:

’’بلاشبہ خوراک اور زراعت میں ذہنی ملکیت کے معاہدوں (آئی پی آر) کی تاریخ بائیوٹیک کمپنیوں سے جڑی ہوئی ہے۔ ان کمپنیوں نے اپنی حکومتوں کو راضی کروایا کہ وہ ٹرپس یعنی ذہنی ملکیت کے معاہدوں کو حکومتی سطح پر آگے بڑھائیں۔ مونسانٹو وغیرہ کے پس پردہ باہمی گٹھ جوڑ سے نباتاتی مواد پر نجی ملکیت کو ممکن بنایا گیا۔ چھوٹی سطح پر کسانوں کے تناظر میں جینیاتی آلودگی کا معاملہ چند ایک ٹیکنالوجیوں کو حکومتی سطح پر فروغ دینے کا معاملہ ہے۔ جس کی وجہ سے حکومت اور منڈی پر بڑھتے ہوئے انحصار کی بنیاد پر چھوٹے کسانوں کو خوراک اور بیج کی خودمختاری کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ اس راستے کو اختیار کرنے کا فیصلہ دراصل کسی ملک کے لوگوں اور کمیونٹی کے کرنے کا فیصلہ ہے‘‘۔

اس حوالے سے ڈاکٹر عذرا سعید نے کہا کہ:

’’یہ ہمارے لیے سخت قسم کا لمحہ فکریہ ہے کہ ڈبلیو ٹی او، ورلڈ بینک، آئی ایم ایف کی خواہشات پر باہمی تجارتی معاہدے یا دیگر غیر ملکی معاہدے ہمارے اوپر تھوپے جاتے ہیں اور امریکا ان سب کی رہنمائی کرتا ہے اور ہمارے حکمران اس قسم کی غلامی کے معاہدوں کو قبول لیتے ہیں اور آگے عوام کو پیش کرتے ہیں‘‘۔

اس حوالے سے سینت کا کہنا تھا کہ:

’’ہم غریب لوگ ہیں ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے جو اپنے بچوں کو تعلیم دلوا سکیں جس کے ذریعے ہمیں اور ہماری اولاد کو اپنے حقوق کا پتہ چل سکے کہ یہ حقوق کیسے لیے جائیں؟ کیا لڑ کر حاصل کیے جائیں؟ ہم ہمیشہ زمینداروں کے غلام رہے اور وہ جو چاہتا ہے ہم کرتے ہیں اس میں ہاری کا فائدہ ہو یا نقصان ہو ہمیں اس کی مرضی پر چلنا پڑتا ہے کیونکہ ہم اس کی زمین پر کام کرتے ہیں‘‘۔
بی ٹی کپاس کے خلاف عوامی ریلی اور کراچی میں نکلنے والی وال اسٹریٹ موومنٹ سے یکجہتی ریلی کو ڈاکومینٹری کے آخر میں شامل کیا گیا جس کا مقصد تھا کہ 99 فیصد عوام کو ایک فیصد کارپوریٹ شعبے اور سرمایہ دارانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔

ماحولیاتی بحران

نوید اقبال

اس کرۂ ارض کا نظام باہمی انحصار پر مبنی ہے۔ جس میں مختلف حیاتیاتی اور غیر حیاتیاتی مادے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورج کی روشنی سے نباتات یعنی پودے خوراک بناتے ہیں۔ جنہیں ہم پیدا کرنے والے یعنی پروڈیوسر (producer) کہتے ہیں۔ دوسرے درجے پر حیوانات ان پودوں کو بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ جنہیں ہم استعمال کرنے والے کنزیومر (comsumer) کہتے ہیں۔ پھر جب یہ نباتات اور حیوانات ختم ہو جاتے ہیں تو ان کے گلنے سڑنے کا عمل شروع ہوتا ہے۔ تحلیل شدہ یہ مادے پھر سے زمین میں جمع ہوتے ہیں جہاں سے یہ جڑوں کے ذریعے پودوں میں جذب ہوتے ہیں۔ اس طرح توانائی کی ایک مستقل ترسیل سورج سے شروع ہو کر پودوں، پودوں سے جانوروں، جانوروں سے تحلیل شدہ مادوں اور پھر واپس سے پودوں میں ہوتی رہتی ہے۔

حیوانات میں توانائی کا حصول ان میں پائے گئے درجہ جات کی بنیاد پر ہوتا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ سبزی خور

2۔ گوشت خور

3۔ ہمہ خور

غذائی زنجیر:

خوراک کے حصول کے لیے ایک جاندار کا دوسرے جاندار پر انحصار شکار اور شکاری کے تعلق کو واضح کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں غذائی جال جنم لیتا ہے۔ غذائی جال میں بے شمار غذائی کڑیاں موجود ہوتی ہیں۔ مثال کے طور بکری گھاس کھاتی ہے اور انسان بکری کھاتا ہے وغیرہ۔

کرۂ ارض پر پائے جانے والے حیاتیاتی مادے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ایک متوازن نظام کو ممکن بناتے ہیں۔

جس کے ذریعے ایک صحت مند ماحول تشکیل پاتا ہے۔لیکن جب ہم موجودہ ماحولیاتی بحران کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کی وجہ ماحول میں موجود وہ عدم توازن ہے جس نے کرۂ ارض کے ''باہمی انحصار'' کو جھنجوڑ کے رکھ دیا ہے۔اس عدم توازن کے محرکات کا اگر جائزہ لیا جائے تو وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ صنعتی انقلاب
2۔ سبز انقلاب
3۔ صنعتی زراعت
4۔ جینیاتی انقلاب
5۔ جنگلات کی کٹائی
6۔ جنگیں

1۔صنعتی انقلاب:

صنعت کا قیام اوراس سے خارج ہونے والی گرین ہاؤس گیسوں / کاربن گیسوں کا بے تحاشہ اخراج۔

2۔سبز انقلاب:

نوآبادیاتی نظام کا نیا ہتھیار، ہماری زراعت میں نئے بیج، زہریلی کھاد، زرعی ادویات اورٹریکٹر کا استعمال۔

3۔صنعتی زراعت:

میلوں بڑے اور لمبے زرعی رقبے پر مشینری کو استعمال کرتے ہوئے ایک ہی طرح کی فصل کا اگانا اور پھر بحری تجارت کے ذریعے اناج وخوراک دوسرے ملکوں میں منتقل کرنا۔بحری تجارت کے عمل میں تیل کے بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ سے کاربن گیسز کا ماحول میں بڑھتا ہوا اخراج۔

4۔ جینیاتی انقلاب:

دو مختلف جانداروں کے جینیاتی مواد کو باہم ملا کر کسی نئے جاندار کی تیاری۔اس جینیاتی مداخلت کا مطلب یہ ہوا کہ جب انھیں قدرتی ماحول میں شامل کیا جائے گا مثال کے طور بی ٹی مکئی، بی ٹی کپاس وغیرہ تو اس سے غذائی جال بری طرح متاثر ہوگا اور باہمی انحصار کے سارے عمل میں عدم توازن پیدا ہوگا۔

5۔ جنگلات کی کٹائی:

شہروں میں آبادکاری اوراس سے جڑی ہوئی ضروریات پوری کرنے میں جنگلات کی کٹائی کا روز بروز فروغ پاتا عمل۔

6۔جنگیں:

پہلی دنیا کی طرف سے مسلط کردہ جنگیں اوراس جنگی جنون کے عمل میں گولہ بارود اور نیوکلیئر ہتھیاروں کے بے تحاشہ استعمال کی وجہ سے ماحول پر بڑھتے ہوئے منفی اثرات۔مثال کے طور پر افغان جنگ، عراق جنگ۔

یہ چند ایک وہ عوامل تھے جس کے نتیجے میں اس کرۂ ارض پر بے شمار منفی اثرات مرتب ہوئے۔ان اثرات میں سے کچھ کی تفصیل یوں ہے۔

گلوبل وارمنگ:

صنعتی انقلاب، صنعتی زراعت، تجارت، جنگوں اور جنگلات کے بے دریغ کٹنے کی وجہ سے فضا میں بڑھتی ہوئی گرین ہاؤس گیسز کا تناسب جس کے نتیجے میں زمینی درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔

تبدیل ہوتا بارشوں کا نظام:

زمینی درجہ حرارت بڑھنے کی وجہ سے بارشوں کا نظام بھی تبدیل ہوتا جارہا ہے۔جس کے نتیجے میں کچھ خطوں میں سیلابی صورتحال کا سامنا ہے، تو کچھ خطے خشک سالی کا شکار ہوگئے ہیں۔گلوبل وارمنگ سے جڑے ہوئے بارشوں کے نظام میں تبدیلی کی وجہ سے زراعت کا شعبہ بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔

نئی جھیلوں کا بننا:

اس گلوبل وارمنگ کے اثرات کے تحت نئی جھیلوں کا بننا، مثال کے طور پر عطا آباد جھیل، جو کہ گلیشئرز کے تیزی سے پگھلنے کی وجہ سے بنتی ہے۔ پاکستان میں ایسی کئی ایک جھیلیں ان وجوہات کی بنیاد پر بن چکی ہیں جن کے گہرے اثرات ملحقہ آبادیوں پر پڑیں گے۔

تیل کا اخراج:

اس نظام میں چونکہ ''ترقی'' کا تمام تر دارومدار تیل پر ہے۔ اس لیے زیرزمین تیل کے ذخائر پر دباؤ بڑھتا جارہا ہے۔ تیل نکالنے کے عمل میں بعض دفعہ تیل خارج ہو کے سطح سمندر کے ایک وسیع رقبے پر پھیل جاتا ہے۔ جس کے اثرات نہ صرف سمندری حیات پر پڑتے ہیں۔ بلکہ غذائی جال کے ذریعے پورے کرۂ ارض پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر میکسیکو گلف میں تیل کا اخراج۔

ڈسپوزیبل طرز زندگی:

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں ایک ایسی طرز زندگی پروان چڑھی ہے۔ جس میں ہم جو کچرا پیدا کرتے ہیں وہ ماحول میں جا کر تحلیل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر پلاسٹک، جس کی وجہ سے فضائی آلودگی بڑھتی ہے اور ماحولیاتی توازن عدم استحکام کا شکار ہوتا ہے۔

یہ تمام تر وجوہات یعنی جینیاتی مداخلت، جنگلات کی کٹائی، کیمیائی مواد کا کھیتوں میں بے دریغ استعمال اور جنگوں کا بڑھتا ہوا رجحان جہاں ایک طرف حیاتیاتی تنوع کے محدود ہونے کی بنیادی وجہ بن رہے ہیں۔ وہیں پر سمندروں میں بڑھتی ہوئی تیزابیت جس کی وجہ کیمیائی مواد کا فصلوں پر بے تحاشہ استعمال، صنعتوں سے اٹھتا زہریلا دھواں اور بڑے پیمانے پر سمندر میں کچرے کو ٹھکانے لگانا وغیرہ شامل ہے۔ یہ اس ماحول سے جڑے وہ مسائل ہیں جس کی جڑیں اس نظام کے اندر موجود ہیں۔ اب یہ نظام اس تمام تر ماحولیاتی بحران سے نکلنے کے لیے آرگینک فارمنگ کو جواب کے طور پر پیش کررہا ہے۔ جس میں بظاہر کیمیائی مواد کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ لیکن اس طریقہ پیداوار کو پھر سے آخر میں مارکیٹ سے جوڑ کر پیش کیا جارہا ہے۔ یعنی اب ہم سبز انقلاب کے طور طریقوں پر فصلیں کاشت نہیں کریں گے بلکہ آرگینک فارمنگ کو معیار بناتے ہوئے فصلوں اور دیگر غذائی اشیاء کو منڈی کے لیے منافع خوری کی بنیاد پر پیدا کریں گے یعنی اس سے مسائل کا حل تو نہیں نکلے گا البتہ اس طریقہ پیداوار کے حوالے سے ایک پوری نئی مارکیٹ کھل جائے گی جس کے ذریعہ پھر سے طاقتور سرمایہ دار قوتیں منافع کمائیں گی۔

کانفرنس میں شرکاء کے چند اہم سوالات و جوابات اور آراء

قصور، سوجھلا، ملتان

میاں قصور نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ماحولیاتی آلودگی کے کئی عوامل ہیں جیسے کے لوگوں کی شہروں کی طرف ہجرت، درختوں کی کٹائی یا صنعتی علاقوں کا شہر کے اندر داخل ہونا وغیرہ اس حوالے سے تجاویز آنی چاہیئے۔

قاسم، ہری پور، خیبر پختونخواہ

سوال: ماحولیاتی آلودگی کا سب سے زیادہ اثر گلوبل وارمنگ کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ اس کو کیسے کنٹرول کیا جائے؟

جواب: ساری کی ساری قباحتیں اس نظام کے اندر موجود ہیں۔ سرمایہ داری نظام کے اندر رہتے ہوئے تمام تر متبادل حل اس نظام کو سہارا دینے اور قائم رکھنے کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس وقت اس نظام کے خلاف کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

ظہور جویا، ملتان، پنجاب

ظہور جویا نے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کمپنیاں حکومت اور عوام دونوں کو بھی چلا رہی ہیں۔ وہ ہماری ثقافت کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں جس سے ذہنوں میں تبدیلی آ رہی ہے۔

ڈاکٹر عذرا طلعت سعید نے اس حوالے سے کہا کے مسائل کی بنیاد مغربی دنیا ہے اور اس کا حل سیاسی ہے۔ جب تک اس سرمایہ داری نظام کو روکا نہیں جاتا تب تک یہ ناممکن ہے کیونکہ ان کی معیشت منافع کی بنیاد پر ہے۔

ریو پلس 20 زراعت سے جڑے ہوئے مسائل

ڈاکٹر عذرا طلعت سعید

1960 کی دہائی میں جو ہم کو مشینی طریقہ زراعت کی طرف زبردستی دھکیلا گیا تھا تو آج پاکستان کے کسان اور مزدور یہ سمجھتے ہیں کہ صرف جدید زراعت جو کہ منڈی سے خریدی ہوئی اشیاء پر مبنی ہے ہمارے لیے ترقی اور خوشحالی کا راستہ ہے۔ ہم کسان کئی سالوں سے ہر سال زیادہ سے زیادہ ڈی اے پی اور یوریا قرض پر خرید کر اس امید پر اپنی زمینوں پر ڈالتے ہیں کہ اس سال پیداوار بڑھ جائے گی اور ہم قرض وسود کی چکی سے باہر آ جائیں گے۔ کسان یہ نہیں سمجھ رہے ہیں کہ یوریا اور ڈی اے پی ماحول کو کس طرح زہر آلود کر کے زمین کو بنجر بناتی ہیں۔ اس خام خیال ترقی کی دوڑ میں لوگوں نے خوراک کی جگہ نقد آور فصلوں کی کاشت میں اضافہ کر دیا ہے۔ ابھی ہم معاشی اور ماحولیاتی آلودگی کے بحران کو صحیح سے سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ پاکستان ایک نئی آفت میں گھر گیا۔ 2010 کا شدید سیلاب اپنی نوعیت کا ایک ہے۔ سیلاب کی تباہ کاریاں صوبہ سرحد سے لے کر بلوچستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ بحالی کا کام سال سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی مکمل نہ ہو سکا تھا کہ پھر اگلے ہی سال 2011 میں بارشوں نے تباہی مچادی۔ جنوبی سندھ ایک طرف طوفانی بارشوں اور دوسری طرف ورلڈ بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک کے ناقص تعمیراتی بند کے ڈھ جانے سے شدید نقصانات اور مسائل سے دوچار ہے۔ کسان جانتا ہے بحران کیوں ہے اور کون اس کا ذمہ دار ہے۔

عالمی سطح پر 1970 کی دہائی سے ہی شعور آچکا تھا کہ تیل اور کوئلے کے بل بوتے پر سرمایہ داری نظام کی تیز رفتار چکا چوند کرنے والی مشینی طرز زندگی دنیا کی تنوع حیات اور کل ماحولیاتی نظام کے لیے شدید تباہی کا باعث ہے۔ کوئلے، تیل اور گیس پر مبنی توانائی کا نظام ماحول میں کاربن گیس خارج کرتا ہے جس کی وجہ سے زمین کا درجہ حرارت بڑھتا جا رہا ہے۔ اس عمل کو گلوبل وارمنگ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہی گلوبل وارمنگ پاکستان میں مسلسل سیلاب، بارشوں اور کبھی خشک سالی کی وجہ بنتی ہے۔ اس طرح کے ہونے والے موسمی بحران کی وجہ سرمایہ دار ممالک بھی سمجھ رہے ہیں۔ اس لیے اب وہ پائیدار ترقی کا ایک نیا ڈھانچہ ''سبز معیشت'' کے نام پر پیش کر رہے ہیں۔

سبز معیشت کی بنیاد 1992 میں برازیل کے شہر ریو میں منعقد ہونے والی پہلی ریو کانفرنس ہے۔ یہ کانفرنس آج سے تقریباً 20 سال پہلے گلوبل وارمنگ جیسے اثرات سے نمٹنے کے لیے ایک جامع انسان دوست ماحول دوست حکمت عملی تیار کرنے کے لیے منعقد کی گئی۔ لیکن اس وقت رائج امریکی حکومت اور دیگر سرمایہ دار ممالک نے 1992 کی ریو کانفرنس کو نیو لبرل سرمایہ داری کی بھینٹ چڑھا کر 1995 میں ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (ڈبلیو ٹی او) کا انعقاد کر دیا تھا۔ ڈبلیو ٹی او 1992 کی کانفرنس کے

ان سارے بنیادی اصولوں اور عمل کاریوں کی نفی ہے جن کے تحت ایک جامع پائیدار ترقی کا نظام رائج کیا جاسکتا تھا۔

خاص کر ڈبلیوٹی او میں موجود ٹرپس کا معاہدہ جینیاتی اور ماحولیاتی تحفظ کو مکمل طور پر پامال کرتا ہے۔اب پچھلے پانچ چھ سالوں میں یہ واضح ہوگیا ہے کہ ماحولیاتی بحران شدت اختیار کررہا ہے۔ان حالات میں سرمایہ داروں نے منافع کمانے کے لیے ایک نیا ڈھونگ رچایا ہے۔جس کو اب ہم سبز معیشت کے نام سے جانتے ہیں۔اس حوالے سے جون 2012 میں ریوپلس 20 کے نام سے عالمی کانفرنس ہورہی ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کانفرنس کا آپ کی اور میری زندگی سے کیا تعلق ہے؟ اس کانفرنس میں ہماری زندگیوں کے فیصلے ہوں گے جو ہم پر زبردستی تھوپ دیے جائیں گے۔ریوپلس 20 کانفرنس جس میں دنیا کے 130 ممالک سے زائد کے سربراہ شامل ہونے والے ہیں کا مقصد سبز معیشت کو لاگو کرنے کے حوالے سے بحث ومباحثہ کرنا ہے۔جس کی روشنی میں تجویز کردہ فریم ورک کو حتمی شکل دی جائے گی۔

دنیا بھر میں عوامی کارکن خاص کر کے وہ سیاسی وسماجی کارکن جو کہ سرمایہ داری اور اس سے جڑے نیولبرل نظام کے خلاف کام کرتے ہیں کا خیال ہے کہ سبز معیشت دراصل سرمایہ دار ملکوں کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنی ڈوبتی ہوئی معیشت کو سنبھالنے کی کوشش کررہے ہیں۔سبز معیشت کو اب پائیدار ترقی کے نعم البدل کے طور پر پیش کیا جارہا ہے اور اس کا پرچار کچھ یوں کیا جارہا ہے کہ سماجی بہتری اور ماحولیاتی بہتری کے مقاصد کو اگر آگے بڑھایا جائے تو خود بخود آمدنی بھی بڑھے گی اور بڑھوتری (growth) بھی ہوگی اور اس طرح انسانی بہتری بھی ہوجائے گی۔ان سب معاملات کے لیے پبلک اور پرائیویٹ (حکومتی اور نجی) سرمایہ کاری کے حوالے سے سازگار حالات پیدا کیے جائیں۔سبز معیشت کا پرچار کرنے والے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے سالوں براؤن اکانومی یعنی تیل پر مبنی معیشت پر انحصار کیا ہے، جب کہ اس طریقے کار نے معاشرتی مسائل، ماحولیاتی بربادی اور ماحولیاتی اشیا کی کمی/خاتمے کو جنم دیا ہے۔ان تمام تر مسائل کی بنیاد پر یہ کہا جارہا ہے کہ سبز معیشت فریم ورک میں سرمائے کی بنیاد پر پائیدار ترقی کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔یواین ای پی (اقوام متحدہ کا ماحولیاتی پروگرام) نے حال میں ہی ایک تفصیلی کتاب سبز معیشت: پائیدار ترقی اور غربت کے خاتمے کا راستہ (Towards a Green Economy: Pathways to Sustainable Development and Poverty Eradication) میں سبز معیشت کے فریم ورک کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس کتاب میں سرمائے کی تین اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

1۔انسانی سرمایہ، 2۔قدرتی سرمایہ، 3۔جسمانی سرمایہ یعنی ترقیاتی/تعمیراتی وسائل (اسکول، سڑکیں اور مشینری وغیرہ)۔کسی بھی معیشت میں ان تینوں کو ایک دوسرے سے بدلنے کے بارے میں سوچ پیش کی گئی ہے۔مثلاً اگر کسی قوم کے پاس ماحولیاتی سرمایہ زیادہ ہے تو اس کو استعمال کرتے ہوئے تعمیراتی سرمایہ میں بدلا جاسکتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال پیش کیا جارہا

ہے کہ ماحولیاتی وسائل کو ہم ایک خاص درجے تک (threshold) نکال اور استعمال کر سکتے ہیں۔ جس کے بعد ان وسائل کا مزید استحصال ماحول کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے نقصاندہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں سرمایہ داری نظام یہ واضح کر رہا ہے کہ ماحولیاتی وسائل کا استحصال جاری رہے گا۔ مثلاً اگر درخت کاٹنے ہیں تو کاٹیں تو ضرور لیکن تعین کریں کہ کس حد یا مقدار تک درخت کاٹے جائیں کہ ماحول اپنا توازن نہ کھودے۔

اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سبز معیشت کا فریم ورک پیش کیا گیا ہے۔ جس کے تین اہم نکات ہیں:

1۔ سب سے پہلے تو ماحولیاتی وسائل کی قدر یعنی ان وسائل کی قیمت کا تعین کرنے کے لیے بہتر سے بہتر نظام اور پالیسی تجزیے پر زور۔ اس کو ہم ماحولیاتی کموڈیفیکیشن (commodification) کہہ سکتے ہیں۔ ماحول جو ایک گھمبیر تانے بانے میں گوندھا ہوا نظام ہے کو ہم الگ الگ حصوں میں کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً آبی حیات زمینی حیات سے جڑی ہوئی ہے اور اسی طرح جنگل کا نظام صحراؤں پر اثر انداز ہوتا ہے، سمندری پانی کی صحت دریائی پانی سے جڑی ہوئی ہے۔ ہم ماحول کے ان سب حصوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ لیکن جب سبز معیشت کے ذریعے ماحول یعنی اس میں موجود دیگر وسائل، تنوع حیات وغیرہ کو الگ الگ کر کے اشیا کی حیثیت دے دی جائے گی تو اس تمام قدرتی دولت کو منڈی میں بیچنے کا کام اور تیز ہو جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں قدرت کی کموڈیفیکشن کا عمل بھرپور طریقے سے رائج کر دیا جائے گا۔ سرمایہ داری ماحول میں موجود ہر شئے کی قیمت لگانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔

2۔ دوسرا عمل جس پر زور دیا جا رہا ہے وہ ایک ایسے ادارے کو قائم کرنے پر ہے جو کہ ماحولیاتی وسائل کے استعمال اور بگاڑ پر پالیسی سازی اور عمل درآمد کا کام کرے گا۔ ماحولیاتی سرمایہ کو استعمال کرنے کے لیے ایسی پالیسی سازی کی ترغیب دی جا رہی ہے جو کہ معیشت میں منڈی پر انحصار کرنے والے طریقے، منڈیاں رائج کرنے کے طریقے کار اور بوقت ضرورت منڈی کے لیے نظم وضبط کے طریقے کار وضع کرے (regulatory mechanism)۔ اس ادارے کی ذمہ داریوں میں ذہنی ملکیت کے معاہدوں کی حفاظت، بہتر حکومتی نظام اور آبادیوں کے لیے مدد بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ زور دیا جا رہا ہے کہ حکومتیں بہتر انتظام فراہم کرنے کے لیے خود سے اخراجات برداشت کریں اور ایسے طریقے کار نافذ کریں کہ جس سے ماحولیاتی خدمات کو استعمال کرنے کے لیے ان کی قیمت ادا کرنے کا نظام بھی موجود ہو۔ مزید یہ کہ ایسے معیشت کی بنیاد ڈالی جائے کہ جس سے کاربن گیس کا اخراج کم ہو۔

3۔ تیسرا اہم نقطہ جو کہ پیش کیا جا رہا ہے کہ سائنس کی بنیاد پر تحقیقی نظام کو فروغ دیا جائے۔ دیگر تدریسی شعبوں میں ماحولیاتی

حوالے سے مسائل پر مل کر تحقیق کی جائے۔ مثلاً ماحولیات اور معیشت سے منسوب سائنس دان ماحولیاتی بحران سے ہونے والے اثرات اور تبدیلیوں کو ناپیں اور اس سے نمٹنے کے طریقے کار پر پیش کریں۔ اس طرح کی تحقیق اس لیے ضروری سمجھی جارہی ہے کہ ان درجہ جات کا تعین کیا جائے کہ کس حد تک ماحولیاتی استحصال کیا جاسکتا ہے۔ یعنی کس حد تک ماحولیاتی اثاثے کو تعمیراتی اثاثے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ کتنا پانی زمین سے نکالا جاسکتا ہے؟ کتنی مقدار میں مچھلیوں کا شکار ہوسکتا ہے؟ ان پابندیوں کے درجہ جات کی بنیاد کیا ہوگی پر بھی تحقیقی اہمیت جتلائی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ ایسی ٹیکنالوجی کی نشاندہی بھی کی جارہی ہے جو حالیہ تیل گیس پر مبنی ٹیکنالوجیوں کا نعم البدل ہوں۔ اوپر دیے گئے سب نکات کو سبز معیشت کی عمل داری کے حوالے سے اہم قرار دیا گیا ہے۔

زراعت کو بھی سبز معیشت سے جوڑ کر دیکھنا چاہیے۔ ہم ہندو پاکستان کے مزدور کسان اپنی کھیتی باڑی کو روایتی کھیتی باڑی کہتے ہیں لیکن سبز معیشت میں روایتی کھیتی باڑی پر کچھ تنقید پائی جاتی ہیں۔ بہتر کھیتی باڑی کو اب آرگینک فارمنگ کا نام دیا جارہا ہے۔ دراصل پچھلے تیس چالیس سال میں مغربی سائنس دانوں اور ان کے زرعی اداروں نے تیسری دنیا کے غریب ملکوں میں ہونے والی روایتی کھیتی باڑی پر تحقیق کرتے ہوئے اس کو سائنس کا درجہ دیا ہے اور اس سے جڑے علم کو بیچنے کے کئی طریقے ڈھونڈ لیے ہیں۔ اب یہ ہمارے علم ہماری تدبیروں اور روایتی کھیتی باڑی کو بیچنے کے لیے نئے طریقے دریافت کر چکے ہیں۔ آرگینک زراعت اب ایک نئی منڈی ہے بالکل ویسی ہی منڈی سبز انقلاب کے ذریعہ سرمایہ داری نے قائم کی تھی۔ اس لیے سبز معیشت کے تحت روایتی کھیتی باڑی کو پیچھے ہٹا دیا گیا ہے اور اس کی جگہ آرگینک فارمنگ کو فروغ دیا جارہا ہے۔ اس نئے نام کی وجہ سے ہم اپنی روایتی کھیتی باڑی کے طریقوں اور علم پر بھروسہ نہیں کریں گے بلکہ پھر سے کھیتی باڑی کرنے کے لیے نت نئی اشیاء کی طرف مائل ہوں گے مثلاً زمین کی زرخیزی بڑھانے کے لیے اب آرگینک کھاد کو نئے نام سے منڈی میں بھاری قیمتوں پر فروخت کیا جائے گا۔ اسی طرح زمین اور پودوں کو غذا پہنچانے کے لیے نئی اشیاء یا مائیکرو نیوٹرینٹس منڈی میں عام کیے جائیں گے اور کسان کو اکسا کر قرض اور دھوکے کی سرنگ میں دھکیل دیا جائے گا جس سے غیر ملکی بین الاقوامی کمپنیوں کی منافع کی طلب پوری ہوتی رہے گی۔

آرگینک کھیتی باڑی کو بڑھانے کے علاوہ زراعت کے شعبے پر ایک اور بڑا دباؤ توانائی کا ہے۔ سبز معیشت تیل، گیس اور کوئلے پر مبنی توانائی کو بدل کر سبز توانائی کو فروغ دے رہی ہے۔ سبز توانائی جیسے رینوبل ایزجی (دوبارہ پیدا ہونے والی توانائی) کے طور پر فروغ دیا جارہا ہے کہ چار بنیادی ذرائع ہیں۔ سورج سے سولر انرجی، پانی سے ہائیڈرو انرجی، ہوا سے ونڈ ایزجی اور پودوں سے حاصل کیا جانے والا تیل یعنی ایگروفیول۔

چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے لیے آرگینک فارمنگ کے علاوہ ایگروفیول ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ مغربی ممالک اور ہماری اپنی حکومتیں بڑے پیمانے پر ایگروفیول کی پیداوار کی ترغیب دے رہیں ہیں۔ سبز معیشت کے اس نئے رجحان کے ساتھ چھوٹے کسانوں کے لیے بہت بڑے مسئلے جڑے ہوئے ہیں۔

پاکستان میں 2008 میں عالمی خوراک کے بحران کے شدید اثرات مرتب ہوئے تھے جو کہ آج تک اپنی جگہ پر ہیں۔ بھوک پر قابو پانے کے لیے خوراک کی فصلوں کی زیادہ کاشت کی ضرورت ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ زمین تیل پیدا کرنے والی فصلوں کے لیے استعمال ہوگی تو خوراک کا بحران مزید شدت اختیار کرلے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایگروفیول کی پیداوار سے کارپوریٹ زراعت ملک میں بڑے پیمانے پر مضبوط ہوتی جائے گی۔ یہ وہ طریقہ زراعت ہے کہ جس میں فصلوں پر کئی گنا زیادہ مصنوعی کھاد اور کیڑے مار ادویات کے علاوہ ہائبرڈ اور جینیاتی بیجوں کا استعمال ہوتا ہے جس سے زمین مزید بنجر اور ماحول مزید متاثر ہوگا۔

اس کے علاوہ ایگروفیول کی پیداوار کے لیے بین الاقوامی کمپنیاں اور غیر ملکی حکومتیں زمین پر قبضہ کرنے میں بڑی تیزی سے کام کررہی ہیں۔ ان عوامل سے ایک طرف خوراک کا بحران بڑھے گا اور دوسری طرف ملک میں بنجر زمین جیسے عوامل کی وجہ سے ماحولیاتی بحران میں مزید شدت آئے گی۔ تیل اگانے والی فصلوں کا پرچار ایک شفاف نشانی ہے کہ سرمایہ داری کے صنعتی پیداواری طریقوں کو ہر حالت میں تحفظ دیا جائے گا۔ دوسری طرف یہ کہ سرمایہ داری کی بنیاد پر پیدا کی جانے والی اشیاء کے لیے تیسری دنیا میں مزید منڈیاں بنائی جائیں گی۔

افسوس یہ ہے کہ اس عمل کو نافذ کرنے کے لیے اس بار سرمایہ داری نے ماحولیات جیسے نازک نظام کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش شروع کردی ہے۔ اس کرۂ ارض میں کوئی چیز کسی انسان نے نہیں بنائی اور اگر کوئی کسی قدرتی چیز کو اپنے نام پر بیچے تو یہ انسانیت کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہے۔ سرمایہ داروں نے درخت ہمارے کاٹے، پانی ہمارا گندہ کیا اور ماحول میں پائے جانے والی تمام اشیاء کا شدید استحصال کرتے ہوئے آج ہم کو ماحولیاتی بحران کی زد میں لاکر کھڑا کردیا اور اب ماحولیات کو منڈی کے حوالے کرکے کہتے ہیں کہ پانی اور دیگر اشیاء کم ہورہی ہیں اس لیے ان کو دام لگا کر بیچنا چاہیے۔ اس طرح سے ان اشیا کا مناسب استعمال ہوگا اور ماحولیاتی بحران سے نمٹا جاسکے گا نہ کہ سرمایہ داری اپنی منڈی کی بنیاد پر ماحولیاتی استحصال کو روکے، خیال یہ پیش کیا جارہا ہے کہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے ماحولیاتی اشیاء کا غیر ضروری استعمال ہورہا ہے اور آبادی کم کرنے کے طریقوں پر غور و فکر کیا جارہا ہے۔ ہمارے خیال میں بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے کا سب سے موثر طریقہ تعلیم ہے۔ ریو پلس 20 کی بحث میں بڑھتی ہوئی آبادی کو ایک اہم نقطہ بنایا گیا ہے۔ بہتر تعلیم اور بہتر آمدنی سے آبادی خود بخود کم ہوتی ہے۔ اس لیے حکومت کو بہتر معیار کی مفت تعلیم اور اچھی آمدنی والی نوکریاں فراہم کرنی چاہیے۔ اسی طرح زمین کو موثر کرنے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ اس کا چھوٹے اور بے زمین کسانوں میں بٹوارہ ہے۔

اگر حکومتیں صحیح معنوں میں غربت کم کرنے میں دلچسپی رکھتی ہیں تو اس عمل کے لیے ایک جامع تدبیر سے زرعی زمین کا چھوٹے اور بے زمین کسانوں میں مساویانہ بنیادوں پر بٹوارہ ہے۔ آج اس پلیٹ فارم سے ریو پلس 20 کے حوالے سے جو بھی معلومات آپ تک پہنچائی گئی ہیں ان کی آپ کے لیے بڑی اہمیت ہے۔ سبز معیشت کا لائحہ عمل ساری دنیا کے لیے تشکیل دیا جارہا

ہے۔یقیناً پاکستان کے کسان مزدور بھی سبز معیشت کے زمرے میں ہونے والی پالیسی سازی سے اثر انداز ہوں گے۔ پاکستان کسان مزدور تحریک کے لیے روٹس فار ایکوٹی کی طرف سے یہ تجویز ہے کہ وہ ہر صوبے میں ان کے کارکن اس مسئلہ کو مزید سمجھیں اور اپنے آگے کے لائحہ عمل میں اس سے نمٹنے کے طریقہ کار پر غور کریں۔ یہ ہمارے ملک کے لیے ایک بڑا لمحہ فکریہ ہے کیونکہ ہماری دیہی آبادیاں اپنی روزمرہ زندگی میں قدرتی وسائل کو استعمال میں لاتی ہیں۔اب اگر سرمایہ داری نظام گھانس، پانی، لکڑی، غذائی پودے اور دیگر اشیاء کو منڈی میں فروخت کے حوالے سے ناپ تول شروع کرے تو ہمارا غریب کسان طبقہ مزید استحصال کی نظر ہو جائے گا۔ ہمیں ایسی پالیسی سازی کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہوئے اس وقت پائیدار ترقی اور پائیدار زراعت کے انسان دوست اور ماحول دوست اصولوں کو وضع کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے بھرپور پالیسی سازی ہونی چاہیئے۔

کانفرنس میں شرکاء کے چند اہم سوالات وجوابات

راجہ مجیب، گھوٹکی، سندھ

سوال: ہم جس طرح کام کر رہے ہیں ہر سال کوئی نہ کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے پہلے ہم سبز انقلاب سے لڑ رہے تھے اور اب یہ نئی معیشت! سبز انقلاب 60 کی دہائی سے شروع ہوا لیکن ہمیں اس کے نقصانات اب سمجھ میں آ رہے ہیں۔ہم نئے مسئلوں سے کیسے لڑیں؟

جواب: گلبرٹ سیپے نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ سبز معیشت کے اس پورے عمل میں جو لوگ شامل ہیں وہ زیادہ تر این جی اوز سے ہیں اور یہ کہ اس میں ابھی تک دوسرے حلقوں سے لوگ شامل نہیں ہوئے ہیں۔مزید یہ کہ ریو پلس 20 کا زور ایک نیا ڈھانچہ بنانے پر ہے اور وہ نئی ٹیکنالوجی لا رہے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک کو نئی مشینری خریدنی پڑے گی۔جس کے لیے ہماری حکومتوں کو دوبارہ سے قرضہ لینا ہوگا جس کے زور پر ان کی مشینیں چلیں گی۔

عذرا طلعت سعید نے اس پر مزید بات کرتے ہوئے کہا کہ نوآبادیات کی وجہ سے غلام ریاستوں کو ہمیشہ ایسا راستہ دکھایا جاتا ہے کہ وہ سامراجی حکومتوں کی غلامی کریں۔اس بار جنگ سرمایہ داروں کے ساتھ ہے اور ہم لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود آپس میں بٹ جاتے ہیں کیوں کہ ہم میں اتحاد نہیں ہے۔وڈیرہ شاہی ہمیں تقسیم کرنے کے لیے لڑواتی ہے۔ہم ان مسائل کا جواب صرف مزدور کی سیاست سے دے سکتے ہیں۔یعنی ہم کو آپس میں اپنے مسائل کو سمجھتے ہوئے ان کے جوابات کے لیے متحد ہو کر لڑنا ہوگا۔

تھیٹر پرفارمنس: کسان عورتوں کے حقوق

پاکستان میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے سوجھلا تھیٹر ٹیم کی طرف سے ''عورت'' کے نام سے ایک ڈرامہ پیش کیا گیا۔ جس میں وڈیرہ شاہی اور پدرشاہی نظام کی عکاسی کی گئی کہ کس طرح ہمارے معاشرے میں عورت کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو فیصلہ سازی کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس کو اپنی شناخت کی اجازت ہے۔ ان کو تعلیم جیسے بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ عورت کسی غریب یا امیر خاندان کی فرد ہو وہ پھر بھی استحصالی اور ظالم رویوں کا سامنا کرتی ہے۔ نہ صرف عزت اور غیرت کے نام پر عورتوں کا استحصال کیا جاتا ہے بلکہ عزت اور غیرت کے نام پر عورتوں کے چہروں پر تیزاب بھی پھینکا جاتا ہے۔ ان کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنا کر ان کی زندگی کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں ان عورتوں کو قانونی چارہ جوئی کے حق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ تھیٹر میں یہ واضح کیا گیا کہ اگر عورت تعلیم حاصل کر لے گی تو مردوں کے مقابل آ کھڑی ہوگی۔ اسی طرح سے پدرشاہی نظام کی مخالفت کر سکے گی۔

چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے حقوق

وینا ارجن

چھوٹے اور بے زمین کسان اور پدرشاہی نظام کے زد میں پسی ہوئی عورتوں کے حقوق کے بارے میں ٹنڈو محمد خان سے تعلق رکھنے والی پی کے ایم ٹی کی ممبر وینا ارجن نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے حقوق کی بات کرتے ہیں تو دراصل ہمارا مقصد، اپنی زمین، اپنا بیج اور دیسی کھاد وغیرہ سے ہوتا ہے۔ ان سب وسائل تک رسائی اور حق کے ذریعے پائیدار زراعت عمل میں آتی ہے۔ یہ سب سبز انقلاب کے خاتمے کے بغیر ممکن نہیں۔

وینا نے مزید بتایا کہ ہمارے بہت سے کسان بھائیوں کو زمین کی ملکیت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ٹنڈو محمد خان پی کے ایم ٹی ممبر علو بھائی کے گاؤں میں حکومت کی طرف سے اسکول منظور ہو گیا ہے لیکن جب تعمیر کا کام شروع کروایا گیا تو یہاں کے وڈیرے نے کورٹ سے اسٹے آرڈر لے کر اسکول کی تعمیر پر پابندی لگوادی۔ اس کا کہنا ہے کے یہ گاؤں کی زمین اس کی ہے اور وہ اس زمین پر تعمیر کی جگہ نہیں دے گا۔ علو اور دیگر گاؤں والے اس کیس کے خلاف مسلسل جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔

پدرشاہی نظام کے حوالے سے بات کرتے ہوئے وینا ارجن نے کہا کہ "یہ وہ نظام ہے جو مردوں کا بنایا ہوا ہے۔ جس میں مرد اپنی آن اور شان کے لیے عورتوں کو ظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔ جائیداد کے بٹوارے کے ڈر کی وجہ سے زمیندار اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کرتے۔ گھروں میں بیٹیوں کے مقابلے میں بیٹوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ عورت ہمیشہ ظلم کا شکار ہوتی ہے تو غلط نہیں لیکن لوگ اب اس بات کو ذہن سے نکال دیں کہ عورت اب مزید ظلم برداشت کرے گی۔ ہمارے یہاں لڑکیوں کو تعلیم نہیں دی جاتی۔ کم عمری میں ہی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے۔ ہندوستان کے کچھ علاقوں میں اب بھی جب عورت حمل سے ہوتی ہے تو اس کا پہلے الٹرا ساؤنڈ کرایا جاتا ہے۔ اگر لڑکی ہو تو حمل ضائع کروا دیا جاتا ہے۔ کیا ہم خدا ہو گئے ہیں یا بھگوان ہو گئے ہیں؟ اس ہال میں موجود بھائیوں اور بہنوں سے میرا ایک سوال ہے کہ کیا عورت کے بغیر معاشرہ چل سکتا ہے؟ اب مہربانی کر کے مرد حضرات کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ یہاں پر آج جتنی عورتیں بیٹھی ہیں سب کے ماں باپ ایک جیسی سوچ نہیں رکھ سکتے۔ مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کا ساتھ دیں جب عورت مرد کی مشکل میں اس کا ساتھ دیتی ہے تو مرد کو بھی اس کا ساتھ دینا چاہئے اور عورت پر ظلم بند کرنا چاہئے۔ لہذا آج سے ہی ہم یہ عہد کریں کہ عورت کو برابر سمجھیں گے۔ جب ہی معاشرہ آگے بڑھ سکتا ہے۔

ہم چھین کے لیں گے آزادی
کہ ہے حق ہمارا آزادی

پاکستان کی دیہی آبادی بنیادی حقوق کی تلاش میں

طاہرہ عبداللہ

پاکستان کی دیہی آبادیوں اوران کے بنیادی حقوق کے حوالے سے بات کرتے ہوئے محترمہ طاہرہ عبداللہ نے کہا کہ ''بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے 1944 میں کہا تھا کہ ہم بہت فرسودہ اورخراب رسم ورواج کے شکار ہیں۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے کہ ہماری عورتیں قیدیوں کی طرح چادراور چاردیواری میں جکڑی ہوئی ہیں۔ وہ مردوں کی ساتھی ہیں اوران کو مردوں کے شانہ بشانہ زندگی اور معاشرے کے ہر پہلو میں ساتھ نظر آنا چاہئے۔ قائداعظم نے 11 اگست 1947 کو کہا تھا کہ ہم سب برابر ہیں پاکستان کی ریاست میں مسیحی، مسلم، ہندو، سکھ، بدھ مت کے درمیان کوئی تفریق اور امتیاز نہیں ہوگا۔ لیکن یہ باتیں آج کے اس دور میں بالکل سچ نہیں ہیں۔ اقوام متحدہ کا چارٹر انسانی حقوق کا عالمی منشور اور ساتھ ساتھ پاکستان کا 1973 کا دستور جو کہ مردوں اورعورتوں کی برابری کو تسلیم کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورتوں کو مرد کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔ جب زمین ناہموار ہو، یعنی کچھ مراعات یافتہ لوگ ہوں اور کچھ غیر مراعات یافتہ تو آئین کہتا ہے کہ خاص اقدامات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جہاں سب کو برابر کے موقع ملیں۔ یہ بات صرف عورتوں اور مردوں کے مقابلے میں سچ نہیں ہے یہ بات ہماری دیہی اور شہری آبادی کے حوالے سے بھی سچ ہے۔ پاکستان کی دیہی آبادیاں تعلیم، صحت، روزگار جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ اسکول اورصحت کے مراکز گاؤں سے پانچ کلومیٹر تک دور ہیں۔

کسی نے کہا ہمیں ہمارے بنیادی حقوق چاہئے۔ حقوق نہ تو مانگے جاتے ہیں نہ دیے جاتے ہیں کیونکہ انسان اپنی پیدائش کے ساتھ حقوق لے کر آتا ہے۔ انسانی حقوق اٹل ہیں لہذا ان پر کوئی بحث ومباحثہ یا سودے بازی نہیں ہوگی۔ ہاری اور مزارع نسل درنسل غلام رہے ہیں کیونکہ جاگیرداران کو اپنا مقروض رکھتے ہیں۔ ملک کے 62 فیصد لوگ دیہی علاقوں میں اور 54 فیصد لوگ شہروں میں غریب ہیں۔ اگران کا اندراج کرلیا گیا اوران کے لیے قوانین بنالیے گئے توان کو مفت تعلیم، صحت، اولڈ ایج پنشن، ورکرویلفیر فنڈ اورای او بی آئی (EOBI) میں رجسٹر کرنا پڑے گا۔ اگر یہ سب کچھ ہوگیا تو مملکت کے شاہانہ خرچے اور عسکری اخراجات کہاں سے نکلیں گے؟ عالمی مالیاتی اداروں اور ورلڈ بینک کو سود کہاں سے ادا کیا جائے گا؟ ہمیں بے زمین ہاریوں، کارکنوں اور کسان مزدور عورتوں کا اندراج کروانا ہوگا۔ آج تک ان معاہدوں پر دستخط نہیں ہوتے جو بے زمین ہاریوں کو ان کے حقوق دلواسکیں۔ اگر بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کردیے جائیں تو ہمارے پارلیمان میں موجود وڈیرے اور جاگیردار عیش و آرام کیسے کریں گے؟

دنیا آگے کی طرف جارہی ہے اور پاکستان پیچھے کی طرف۔ گزشتہ سال انسانی ترقی کے شمارے میں 170 ممالک کی فہرست میں پاکستان 125 نمبر پر تھا لیکن اس سال 145 نمبر پر آ گیا ہے۔ ملک کی آبادی 180 ملین ہوگئی ہے اور 54 فیصد لوگ پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھا سکتے۔ 75 فیصد لوگ دووقت کی روٹی نہیں کھا سکتے۔ یہ بھی سچ ہے جہاں ہم کو 4 غریب پاکستانی نظر آئیں گے ان میں 3 عورتیں ہونگی اور ایک مرد۔ ہمیں ایسا پاکستان چاہیئے جہاں انسان کا تحفظ ہو ان کا مذہب رنگ، نسل اور جنس کچھ بھی ہو ہمیں سب کے لیے برابر انصاف چاہیے۔ ہمارے کسانوں کو مضبوط ہونا ہوگا ہمیں غلامی کی زنجیریں توڑنی ہوں گی۔

اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلادو

وینا ارجن

طاہرہ عبداللہ

پاکستان کا غذائی بحران اور معاشی تجزیہ

محمد رفیق

پاکستان میں غذائی بحران اور معاشی حالات کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے محمد رفیق نے کہا کہ Josue de Castro کے مطابق ''بھوک بہت بری صورتحال ہوتی ہے آپ کو ہر چیز سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ جب ایک انسان بھوکا ہوتا ہے تو ساری چیزیں بے معنی ہو جاتی ہے اور یہ زندگی میں موت کے مترادف ہے''

پاکستان کے زرعی اعداد و شمار کے مطابق ملک کی مجموعی زرعی پیداوار 21.8 فیصد ہے جو 1980 کی دہائی میں 31 فیصد تھی۔ جبکہ 15 فیصد بے روزگاری کے ساتھ پاکستان کی 24 فیصد آبادی غربت کی لکیر سے نیچے گزر بسر کر رہی ہے۔ ان میں سے 43 فیصد افراد کی روزانہ آمدنی 1.25 ڈالر سے بھی کم ہے۔ جبکہ 80 فیصد آبادی کی روزانہ اوسطً آمدنی 2 ڈالر ہے۔ دیہی آبادیوں میں غربت کی شرح 43 فیصد جبکہ شہروں میں 26 فیصد بتائی جاتی ہے۔

ملکی وسائل کے حوالے سے بتاتے ہوئے محمد رفیق نے کہا کہ ''79.61 ملین ہیکٹر زرعی زمین کاشت کے قابل ہے جس میں سے صرف 18 ملین ہیکٹر آبپاشی نظام اور 5 ملین ہیکٹر بارانی پانی پر کاشت کی جاتی ہے۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں آبپاشی کا سب سے بڑا نظام ہے جس کے ذریعے 179 (ایم اے ایف) ملین ایکڑ فٹ سالانہ پانی ملکی زرعی پیداوار کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور 70 کی دہائی سے لے کر 2003 تک خوراک کی پیداوار 10 ملین ٹن سے بڑھ کر 25 ملین ٹن تک پہنچ گئی ہے۔

سال 2011-2009 کے دوران بجٹ کے 300-200 بلین اخراجات رہے۔ اگر دیکھا جائے تو 1980 کی دہائی میں زراعت کا پیداواری ہدف زیادہ رہا لیکن 1980 کے بعد اس میں بتدریج کمی آتی گئی۔

پاکستان میں خوراک کی صورتحال

گندم: پاکستان کے دو صوبوں سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں گندم کی اضافی پیداوار ہوتی ہے جبکہ باقی علاقوں میں گندم

کی پیداوار بہت کم رہتی ہے۔

چاول: خوراک کا دوسرا اہم ذریعہ چاول ہے جو پنجاب اور سندھ کے بعض علاقوں میں اضافی تو بعض علاقوں میں درمیانی مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔

2009 کے اعداد و شمار کے مطابق 70 فیصد آبادی گندم کی انتہائی کمی کا شکار رہی جبکہ 42 فیصد آبادی کے پاس گندم کی اضافی پیداوار رہی۔ اسی حوالے سے ایک مسئلہ جو سامنے آ رہا ہے وہ یہ ہے اسلام آباد ایک ایسا شہر ہے جہاں کوئی پیداوار نہیں ہوتی پھر بھی وہاں لوگوں کی خوراک تک رسائی بہت زیادہ ہے۔ 9-2008 کے اعداد و شمار کے مطابق بھوک کے حوالے سے پاکستان کو دنیا میں چوتھے نمبر پر شمار کیا جاتا ہے۔ بھوک اور افلاس کا جائزہ پیش کرتے ہوئے محمد رفیق نے بتایا کہ دنیا میں سب سے زیادہ خوراک کی قیمتیں پاکستان میں پائی جاتی ہیں۔ پاکستان کی 170 ملین آبادی میں سے 42 ملین لوگ عدم خوراک کا شکار ہیں جو کہ ملک کی 25 فیصد آبادی اور دنیا کی 17 فیصد آبادی بنتے ہیں۔ ملک کی 54 فیصد دیہی آبادی غریب بے زمین اور مزارع ہیں۔ جبکہ صرف ایک فیصد زمین عورتوں کے پاس ہے۔ پاکستان میں 45 ہزار ٹن سالانہ زہریلی زرعی ادویات خوراک کی پیداوار کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ جبکہ 750,000 ٹن کیمیائی کھاد استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن پاکستان کیمیائی کھاد کے سب سے زیادہ استعمال کے باوجود زرعی پیداوار میں پیچھے ہے۔

سبز انقلاب کے نتائج

1960 کی دہائی میں سبز انقلاب آیا جس کی وجہ سے ایک جیسی اقسام کی فصلیں، آبپاشی نظام، زرعی زہریلی ادویات، کیمیائی کھاد ہائبرڈ بیجیں، زیادہ پیداواری بیجیں وغیرہ کے ساتھ منڈی، سڑکیں، مشینری متعارف کروائی گئی۔ لیکن ان سب کے نتائج کیا

ہوئے؟ جب آپ اوپر بتائی گئی چیزیں استعمال کرتے ہیں تو آپ کی پیداوار میں 23 فیصد اضافہ ہوتا ہے جبکہ نقصان میں 63 فیصد اضافہ ہوتا ہے۔ کیمیائی اشیا استعمال کرنے کی وجہ سے زمین بنجر ہوجاتی ہے۔ تین سے چار گنا پانی زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی طرح کی فصل لگانے سے فصل میں کمی آجاتی ہے اور تنوع حیات بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم بات ہے کہ بیجوں کو محفوظ کر کے رکھنے کے جو طریقے تھے ان کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سماجی رشتے بھی ختم ہوتے جارہے ہیں جو کہ بیجوں کے تبادلے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

صنعتی زراعت میں ساری کی ساری زراعت مشینری کے ذریعے کی جاتی ہے جو نقد فصلوں یعنی cash crops کے طریقے کو متعارف کرواتی ہے۔ جس میں ہائبرڈ بیج یا جینیاتی تبدیلی کے ذریعے کیے گئے بیج مثلاً بی ٹی کپاس وغیرہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان بیجوں پر ذہنی ملکیت کا حق کمپنیوں کو حاصل ہوتا ہے اور ایسی زراعت کے طریقے صرف سرمایہ کاری کو فروغ دیتے ہیں۔ اس سرمایہ کاری کے پیچھے عالمی مالیاتی ادارے، ملٹی نیشنل کمپنیاں اور جی 8 کے سرمایہ دار ممالک ہوتے ہیں۔ جس کے نتائج بے روزگاری، منافع کو ترجیح، کمپنیوں کا کنٹرول، خوراک کی قیمتوں میں اضافہ، قدرتی وسائل میں کمی، تنوع حیات کو نقصان اور مقامی لوگوں کا اپنے وسائل تک رسائی اور اختیار میں خاتمے کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔

ایسی صورتحال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

زراعت کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہر فرد کو خوراک میسر ہونے کی ضمانت دینے کے ساتھ ماحول کو تباہی کی طرف نہ لے کر جایا جائے۔ منافع کو خوراک کے حصول کے ساتھ رکھنا اخلاقی عمل نہیں۔ اگر ہم خوراک کو ضائع کرتے ہیں تو ہم ان لوگوں کے مجرم ہیں جو عدم خوراک کی وجہ سے مختلف امراض، ناقص صحت اور موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ زمین کی ملکیت اور پیداواری خوراک کا اختیار ہمارے پاس ہونا چاہیے غیر ملکی کمپنیوں کے پاس نہیں۔

کانفرنس میں شرکاء کے چند اہم سوالات و جوابات / آراء

سیلویا، اے پی سی، فلپائن

سوال: جن علاقوں میں سب سے زیادہ خوراک کی پیداوار ہے لیکن کھانے کے لیے سب سے کم خوراک میسر ہے تو اس

حوالے سے حکومت کیا کردار ادا کر رہی ہے؟

جواب: حکومت کو خوراک کی پیداوار اور تقسیم کی باقاعدہ پالیسی بنانی چاہئے تاکہ سب کو گارنٹی خوراک ملے۔ جہاں تک حکومت کے کردار کی بات ہے تو زراعت کے شعبے میں اس کی عدم توجہی اہم وجہ ہے۔ حکومت محض کچھ شعبہ جات پر زیادہ توجہ مرکوز رکھتی ہے جیسے عسکری اخراجات اور زراعت کے شعبے کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

ارشاد سومرو، روٹس فار ایکوٹی

سوال: حکومتی اداروں میں چھوٹے اور بے زمین کسانوں کی کوئی نمائندگی نہیں۔ لہذا چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے حقوق کے لیے پالیسی ساز اداروں میں انہی طبقوں سے وابستہ لوگ ہونے چاہئے تاکہ ان کے بنیادی حقوق مثلاً خوراک کی خود مختاری اور زمینی اصلاحات کی جا سکیں۔

جواب: محمد رفیق نے اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے یہاں سرمایہ داروں / حکمرانوں کا بہت بڑا گروپ ہے جس کی زیادہ سے زیادہ دلچسپی پاکستان کی خوراک کی پیداوار کی پالیسی میں حصہ لینا ہے۔ لہذا وہ چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے حقوق پر بات بھی نہیں کرتے۔

سکندر حیات، ملتان، پنجاب

سوال: آپ نے کہا کے منافع کے عنصر کو نہیں ہونا چاہئے تو جن علاقوں میں گندم کی پیداوار نہیں کی جاتی وہاں یہ سب منافع کے بغیر کیسے ممکن ہے؟

جواب: منافع موجود ہوتے ہوئے بھی یہ چیز ممکن نہیں ہے۔ جہاں پر سب سے زیادہ خوراک کی پیداوار ہوتی ہے انہی لوگوں کو رسائی ممکن نہیں ہے۔

اجناس پر سٹے بازی: خوراک کا عالمی بحران

گلبرٹ سپیے

عالمی غذائی بحران پر اعداد و شمار پیش کرنے سے پہلے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے گلبرٹ سپیے نے کہا کہ مجھے بہت خوشی ہے کہ میں کسانوں کے اس بڑی محفل میں شرکت کر رہا ہوں۔ ہم لوگوں کا کسانوں کی اس طرح کے جلسوں میں شرکت کرنا بہت ضروری ہے تا کہ ہم کسانوں کے مسائل سے روشناس ہو سکیں۔ میرا تعلق پیسٹی سائیڈ ایکشن نیٹ ورک، ایشیا پیسیفک (PANAP) کے ساتھ ہے جو کہ خاص کر چھوٹے کسان اور مزدوروں کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ میرے ادارے کا خاص مقصد فصلوں میں استعمال ہونے والے زہریلے مواد کے خلاف آواز اٹھانا اور کسانوں کے حقوق کی باتیں کسانوں تک پہنچانا اور پائیدار زراعت کے تصور کو کسانوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔

گلبرٹ نے عالمی غذائی بحران کو محمد رفیق کی پیش کی گئی گفتگو ''پاکستان میں غذائی بحران اور معاشی تجزیہ'' سے جوڑتے ہوئے بتایا کہ دنیا میں 2006 اور 2007 کے درمیان خوراک کی قیمتوں میں 74 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا جبکہ 2008 جولائی سے دسمبر کے درمیان 33 فیصد قیمتوں میں کمی دیکھی گئی اور مزید 2010 میں خوراک کی قیمتیں 2008 سے بھی تجاوز کر گئیں۔ دنیا میں خوراک کی قیمتوں میں اضافے کے حوالے سے تفصیلات بتاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ''دنیا میں 2007 سے 2008 کے درمیان کھانے کی چیزیں مثلاً اناج کی قیمتوں میں بے انتہا اضافہ دیکھنے میں آیا اور اپریل 2007 سے جون 2008 کے درمیان چاول کی قیمتوں میں 159 فیصد اضافہ اور موجودہ قیمتوں میں 55 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا۔ اس کے علاوہ

جوار کی قیمتوں میں 88 فیصد اضافہ ہوا اور دنیا میں 2010 کے دوران گندم اور جوار کی قیمتوں میں تقریباً 100 فیصد تک اضافہ دیکھا گیا۔ لہذا 2008 کے دوران خوراک کی قیمتوں کے اضافہ میں تین چیزوں کی مداخلت دیکھنے میں آئی جن میں دھات، توانائی اور زراعت شامل ہیں۔

خام تیل کے حوالے سے قیمتوں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے گلبرٹ نے بتایا کہ 2008 کے دوران خام تیل کی قیمتیں 133 ڈالر فی بیرل سے تجاوز کر گئی جبکہ 2007 کے دوران اس میں 94 فیصد اضافہ ہوا تھا۔ دھات اور توانائی کی قیمتوں میں 230 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا جبکہ زراعت کے لیے استعمال کی جانے والی کھاد کی قیمتوں میں 2003 سے 2008 کے درمیان 400 فیصد اضافہ دیکھا گیا۔

دنیا کے کچھ علاقوں میں استعمال کی جانے والی غذائی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کے حوالے سے مثال دیتے ہوئے انھوں نے کہا بائیدوا صومالیہ میں شکر قندی کی قیمتوں میں 300 فیصد اضافہ ہوا جبکہ کمپالہ، یوگینڈا میں مکئی کی قیمتوں میں 250 فیصد اضافہ اور ہونڈراس میں لال لوبیا کی قیمتوں میں 125 فیصد اضافہ دیکھا گیا اور ہرات، افغانستان میں گندم کی قیمتوں میں 60 فیصد اضافہ ہوا۔

عالمی غذائی بحران کے اسباب اور وجوہات بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ غذائی اشیا میں سرمایہ کاری پر اجارہ داری کا دباؤ غذائی بحران کی اہم وجہ ہے کیونکہ بڑے سرمایہ دار چھوٹی کمپنیوں پر قابض رہتے ہیں اور چھوٹے سرمایہ داروں کو بڑی کمپنیوں میں ضم کر لیا جاتا ہے یا پھر ان کو خرید لیا جاتا ہے۔ ٹیکنیکی جدت پیداوار کو بڑھاتی ہے یعنی جب بحران کی صورتحال نظر آتی ہے تو مشینوں سے کام میں تیزی آتی ہے اور مزدور دوسرے علاقوں اور تیسری دنیا سے آ کر سستے داموں کام کرنے لگتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس میں مزدوروں کی مستقل چھانٹی کی جاتی ہے یا پھر کم تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے مزدوروں کی آمدنی کم ہو جاتی ہے اور قرضے بڑھ جاتے ہیں۔ نتیجتاً اشیاء یعنی چیزوں کی کھپت میں کمی ہو جاتی ہے کیونکہ ترسیل سست ہو جاتی ہے۔ یعنی جب ملکوں کے پاس پیسہ موجود نہ ہو اور نہ مزدوری چل رہی ہو اور نہ مزدوروں کی کھپت ہو رہی ہو تو اس وقت سرمایہ دار کچھ فیصلے کرتے ہیں اور اس طرح مارکیٹ میں سٹے بازی منظر عام پر آتی ہے۔ سٹے بازی سے عام لفظوں میں مراد یہ بھی لی جاسکتی ہے کہ سرمایہ دار کو منڈی میں کی جانے والی خریداری اور فروخت کنندہ کو نقصان نہ ہونے کی یقین دہانی کرانا۔ مثال کے طور پر ایک فروخت کار ایک خریدار کے ساتھ زمین میں کھڑی فصل کو پہلے سے طے شدہ قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ فروخت کار کے لیے فائدہ یہ ہوا کہ اس نے اپنی فصل کی رقم مستقبل میں گرتی ہوئی قیمت کے خدشے سے محفوظ کر لی اور خریدار کے لیے فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مستقبل میں فصل کی بڑھتی ہوئی قیمت کے خدشے سے اپنی رقم کو محفوظ کر لیا اور اس کاروبار کو ایک معاہدے کی صورت میں طے کیا گیا۔ اس طرح کی سٹے بازی کو تجارتی سٹے بازی کہا جاتا ہے جو ایک طرح سے اشیا کے خریدار اور فروخت کنندہ کو تحفظ دیتی ہے۔

غذائی بحران کی دوسری اہم وجہ موسمی تبدیلی کے باعث پیداوار کا کم ہونا ہے۔ گزشتہ تین دہائیوں سے موسمی تبدیلی کی وجہ سے دنیا میں گندم کی پیداوار میں 3.8 فیصد اور جوار کی پیداوار میں 5.5 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ جبکہ سال 2006 میں روس میں خشک سالی کے سبب 25 فیصد گندم کی پیداوار کم رہی۔ پاکستان اور ہندوستان کو موسمی بحران کا سامنا رہتا ہے۔ پاکستان دنیا کا چھٹا ملک ہے جہاں موسمی بحران کی وجہ سے بڑا بحران آ سکتا ہے۔ ہمیں یہ واضح نظر آ گیا ہے کہ امریکا، چائنا موسمی بحران کی بڑی وجہ بن رہے ہیں۔ لیکن ہمیں اس کے تاریخی پس منظر کو بھی دیکھنا ضروری ہے اگر ہم پیداوار میں حصہ لیتے ہیں تو آلودگی بڑھانے کے حصے میں بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ جو ممالک آلودگی کے اصل ذمہ دار ہیں ان کے حوالے سے حکمت عملی ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ پاکستان سخت قسم کے موسمی بحران کا شکار ہے اور مستقبل میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ موسم کے حوالے سے ''عقلمندانہ زراعت'' کی تجاویز سامنے لائی جائیں گی یعنی بائر، سینجنٹا، مونسانٹو کی شمولیت کے ساتھ یہ معاہدے لائیں جائیں گے یعنی دوبارہ ہمیں سبز انقلاب کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ عالمی غذائی بحران سے برپا ہونے والے اثرات پر بات کرتے ہوئے گلبرٹ نے بتایا کہ ''اس وقت پوری دنیا میں 925 ملین لوگ بھوک اور عدم خوراک سے گذر رہے ہیں۔ 2006-2007 کے غذائی بحران نے غیر غذائیت بخش خوراک کو بڑھاوا دیا۔ آج بھی دنیا میں 90 لاکھ بچے 5 سال کی عمر میں پہنچنے سے پہلے مر جاتے ہیں۔ ملک اسٹونیا کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا 2006 میں بیروزگاری کی شرح 4.2 فیصد تھی جو بڑھ کے 2008 میں 7.5 فیصد ہوگئی۔

عالمی غذائی بحران کی وجہ سے زمین پر بیرونی سرمایہ کاری بڑھ رہی ہے۔ جس کی وجہ سے دیہی آبادیوں کا زمین اور دیگر پیداواری وسائل پر سے قبضہ تیزی سے ختم ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا میں 50 ممالک میں تقریباً 40 ملین ہیکٹر زرعی زمین کو ایندھن کے پیداواری فصلوں کے لیے ہدف بنایا جا رہا ہے۔ جبکہ صرف پاکستان میں ہی 8 لاکھ ہیکٹر زمین بیرونی سرمایہ کاروں نے ہدف بنا رکھی ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر کیوں غیر ملکی سرمایہ کار ہماری زمین پر آ کے قبضہ کر رہے ہیں؟ کیونکہ ان ممالک میں بڑے پیمانے پر خوراک کی کمی ہے تو وہ ہمارے ممالک میں آ کر خوراک پیدا کر رہے ہیں اور اپنے ممالک میں لے کر جا رہے ہیں۔ مثلاً ملائیشیا میں متحدہ عرب امارات کی کمپنیوں نے 44 ہزار ہیکٹر زمین خریدی ہے اور وہاں غذا اگانا شروع کی ہے۔ اسی طرح ساؤتھ کوریا فلپائن میں آ کر غذا اگاتے ہیں اور اپنے ملک لے جاتے ہیں۔ زمین پر بیرونی سرمایہ کاروں کی وجہ سے دیہی آبادیوں کا زمین اور دیگر پیداواری وسائل پر قبضہ تیزی سے کمزور پڑ رہا ہے۔ یہ مستند خبر ہے کہ مستقبل میں پاکستان کے اندر 8 لاکھ ہیکٹر زمین پر سرمایہ کاری کی جائے گی۔ گلبرٹ نے شرکا سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ اس حوالے سے معلومات رکھتے ہیں؟ ہری پور کے ایک ساتھی نے بتایا کہ ہمارے علاقے میں چائنا اکنامک زون کے نام سے 16 ہزار کنال زمین دی جا چکی ہے۔ سندھ کے ساتھیوں نے اس معلومات کو مزید بڑھاتے ہوئے کہا کہ میر پور خاص میں 3,200 ایکڑ اور گولارچی میں 5,000

ہزارا یکٹرز مین بیرونی سرمایہ کاری کے لیے دی جا چکی ہے۔

تو پھران حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

- آزاد تجارت کی مخالفت۔
- زمین پر قبضہ گیروں کی مخالفت۔
- موسمی انصاف کا فروغ۔

کانفرنس میں شرکاء کے سوالات و جوابات

وقاص احمد، ہری پور، خیبر پختونخواہ

سوال: پاکستان کی زراعت مثلاً سبز انقلاب کے حوالے سے ہمیں کافی معلومات حاصل ہوئی ہمیں امریکا کی زراعت کے حوالے سے بھی کچھ تفصیلات بتائیں؟

جواب: امریکا میں بھی پیداوار سبز انقلاب اور زرعی ادویات سے کی جاتی ہے۔امریکا کی منڈی میں بھی کھانے کی چیزوں کا معیار بہت خراب ہے اور وہاں بی ٹی مکئی اور جینیاتی مکئی، جینیاتی سویابین بھی موجود ہے۔

پاکستان کسان مزدور تحریک: مستقبل کا لائحہ عمل

پاکستان کسان مزدور تحریک کے لائحہ عمل کے حوالے سے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے 6 رکنی پینل تشکیل دیا گیا۔ پینل کے شرکا کے نام مندرجہ ذیل:

ولی حیدر، ارشاد سومرو، وینا ارجن، فرمان اللہ، راجہ مجیب اور ڈیوڈ رحمت۔

ولی حیدر نے پی کے ایم ٹی کے مستقبل کے لائحہ عمل کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم آج اس حوالے سے بات کریں گے کہ 2011 دسمبر میں دنیا کی کیا صورت حال ہے؟ اس صورت حال کی روشنی میں کیا تبدیلی ممکن ہے؟ کیا ہم ایسے اقدامات تو نہیں کر رہے جو ناممکنات میں شامل ہیں؟ گزشتہ 6 مہینوں سے عرب ممالک میں بہت سی عوامی تحریکیں ابھر رہی ہیں۔ تیونس، مصر اور دیگر عرب ممالک میں جہاں بڑے عرصے سے آمروں نے اقتدار اپنے شکنجہ میں لیا ہوا تھا۔ اس وقت ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کرنل قذافی جیسے بڑے حکمرانوں کو عوامی تحریکیں تنکے کی طرح بہا دیں گی۔ اسی طرح سے تیونس میں بھی عوام نے حکمرانوں کو اٹھا کر پھینک دیا تو ثابت یہ ہو رہا ہے کہ اگر لوگ جدوجہد کریں تو طاقتیں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں ان سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ہماری خلوص نیت اور جدوجہد ہو تو سب ممکن ہے۔ آج دنیا کے مختلف خطوں اور ممالک کے لوگ اپنے آپ کو مظالم سے نکالنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم لوگ ان تحریکوں اور کوششوں سے سیکھیں اور راہ عمل تلاش کریں۔ اس کے لیے حقیقی عوامی نمائندگی کا سامنے آنا بہت ضروری ہے۔ خاص کر بے زمین کسانوں اور دیہی عورتوں کا اس نمائندگی میں شامل ہونا لازمی ہے کیونکہ اس کے بغیر پالیسی سازی کا عمل ممکن نہیں ہے۔ جو لوگ ہمارے ایوانوں میں بیٹھے ہیں وہ ہماری حقیقی نمائندگی کے اہل نہیں ہیں۔ پاکستان میں تبدیلی کے لیے زمین بہت ہموار ہے۔ میں ذاتی طور پر نظام کی تبدیلی کی بات کرتا ہوں جہاں مزدوروں کو ان کے حقوق اور مسائل کے حل کا اختیار حاصل ہو۔ ہمارے ملک کے لوگ بھی اب مہنگائی، تعلیم، بجلی اور گیس کی کمی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے اس طرح کی صورت حال نظر نہیں آتی تھی۔ ہمیں ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اگلے 4 سے 5 سالوں میں اپنے تنظیمی عمل کے حوالے سے اپنا

ایجنڈا سامنے لانا ہوگا۔ پاکستان کسان مزدور تحریک کو اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کا تعین کرنے کے لیے ان تحریکوں سے کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔

ارشاد سومرو نے اسی حوالے سے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ جیسے نظام کی تبدیلی کی بات ہوئی تو اس حوالے سے ہم کو اپنے ساتھیوں کو ساتھ جوڑتے ہوئے تحریک کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے پیغام کو پھیلانا ہوگا کیونکہ لوگوں کے جڑنے سے حالات میں تبدیلی آئے گی اور ہم ایک طاقت کے طور پر سامنے آئیں گے۔

پاکستان کسان مزدور تحریک کے تنظیمی ڈھانچے کے حوالے سے مزید بات کرتے ہوئے ڈیوڈ رحمت نے کہا کہ صوبائی کوارڈنیٹر کی مدت دو سال تک ہونی چاہیے۔ پی کے ایم ٹی ممبر کی ہر ماہ صوبائی میٹنگ ہونی چاہیے۔ یونین، ڈسٹرکٹ سطح پر بھی سالانہ اجلاس ہونے چاہیے اور خوراک کے عالمی دن کو ضلعی سطح پر بھی منانا چاہیے۔ سیڈ بینک کے حوالے سے انھوں نے بتاتے ہوئے کہا کے سیڈ بینک کے صوبائی سیمینار کا انعقاد ہونا بھی ضروری ہے۔

خیبر پختونخواہ سے فرمان اللہ نے کہا کہ آگے کے لائحہ عمل کو مرتب کرتے وقت یہ ہمارا بنیادی نقطہ ہونا چاہیے کہ ہم کو سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام سے جان چھڑانی ہوگی۔ اپنی آنے والی نسلوں کے لیے راہ ہموار کرنی ہوگی کیونکہ پاکستان میں سیاست پر خاندانی اجارہ داریاں ہیں اس لیے ہمیں پی کے ایم ٹی کو مضبوط کر کے ان اجارہ داریوں کو ختم کرنا ہوگا۔

عورتوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے پی کے ایم ٹی ممبر وینا ارجن نے کہا کہ سندھ، پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں عورتوں کو گھروں تک محدود رکھا جاتا ہے۔ پاکستان کو آج آزاد ہوئے 64 سال ہو گئے ہیں لیکن اب بھی ہم غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کے ملک کے اعلی ایوانوں میں بھی سرمایہ داروں اور جاگیردار خاندان کی عورتوں کی نمائندگی ہے جو صرف اپنے طبقے کے مفادات کو تحفظ دیتی ہیں۔ وینا نے مزید کہا کہ عورتوں کو اپنے حقوق حاصل کرنے ہونگے۔ اس جدوجہد کی شروعات ہم نے کر دی ہے۔ مردوں کو بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ باتوں سے کچھ نہیں ہوتا عملی کام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ عورت ہر شعبے میں آگے جاسکتی ہے اگر ان کو موقع فراہم کیا جائے۔

پاکستان کسان مزدور تحریک کے تنظیمی ڈھانچہ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے راجہ مجیب نے کہا کہ تنظیمی ڈھانچہ قومی سطح پر واضح ہونا چاہیے۔ شعور و آگاہی کے پروگرام جاری رکھنے چاہیے۔ ممبر شپ بھی جاری رہنی چاہیے۔ ہم اپنے اپنے

علاقے میں اتنا کام کریں کہ اگلے سالانہ اجلاس میں اس کی تفصیلات بتاتے بتاتے پورا دن نکل جائے۔ ہر ڈسٹرکٹ کو ایک ماڈل ڈسٹرکٹ بنانے کی سخت ضرورت ہے۔

اختتامی کلمات

الطاف حسین

پاکستان کسان مزدور تحریک کے چوتھے سالانہ اجلاس کے اختتامی کلمات ادا کرنے کے لیے مجھے دعوت دی گئی ہے جس کا میں مشکور ہو۔ ہم آج اس فیصلے کے ساتھ یہاں سے جائیں گے کہ ڈسٹرکٹ، یونین کونسل ہر سطح پر لوگوں کو جوڑیں اور چراغ سے چراغ جلے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ تحریک ضرور کامیاب ہوگی۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالات نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت کے خود بدلنے کا

ضمیمہ نمبر ا

چوتھا سالانہ اجلاس

غذائی، معاشی اور ماحولیاتی بحران: عوامی لائحہ عمل

15-16 دسمبر، 2011، لاہور

پہلا دن: 15 دسمبر

وقت	موضوع	مقرر
07:45-08:45	رجسٹریشن	
09:00-09:15	ابتدائی تقریب	
09:15-09:30	تعارفی کلمات	علی اکبر
پہلا سیشن	پاکستان کسان مزدور تحریک: سرگرمیوں کا جائزہ	
09:30-09:50	پاکستان کسان مزدور تحریک: سرگرمیوں کا جائزہ	ڈیوڈ رحمت
09:50-10:15	سوال و جواب	
دوسرا سیشن	معاشی بحران	
10:15-10:40	سرمایہ دارانہ نظام کا موجودہ بحران	ڈاکٹر شاہدہ وزارت
10:40-11:15	تبصرہ	عذرا طلعت سعید
11:15-11:30	سوال و جواب	
11:30-12:00	چائے کا وقفہ	
تیسرا سیشن	ماحولیاتی بحران	
12:00-12:15	ڈاکومینٹری ویران کھیت	

نوید اقبال	ماحولیاتی بحران	12:15-12:30
عذرا طلعت سعید	ریو+20 زراعت سے جڑے ہوئے مسائل	12:30-12:50
	سوال وجواب	12:50-01:00
	کھانا	01:00-02:00

چوتھا سیشن عورتوں کے حقوق

مقرر	موضوع	وقت
سوجھلا تھیٹر	تھیٹر پرفارمنس: کسان عورتوں کے حقوق	02:00-02:30
وینا ارجن	چھوٹے اور بے زمین کسانوں کے حقوق	02:30-03:00
طاہرہ عبداللہ	پاکستان کی دیہی آبادی بنیادی حقوق کی تلاش میں	03:00-03:30
	سوال وجواب	03:30-04:00
	چائے	04:00-04:30
	صوبائی میٹنگ	04:30-05:30
	یکجہتی رات	07:00-09:00

دوسرا دن: 16 دسمبر، 2011

پانچواں سیشن　　　　　　　　غذائی بحران

وقت	موضوع	مقرر
09:00-09:20	پاکستان کا غذائی بحران: معاشی تجزیہ	محمد رفیق
09:20-09:40	عالمی غذائی بحران	گلبرٹ سیپے
09:40-10:00	سوال و جواب	
10:00-10:30	چائے	

چھٹا سیشن　　　　　　　　لائحہ عمل

10:30-11:00	پاکستان کسان مزدور تحریک: مستقبل کا لائحہ عمل	ولی حیدر، وینا ارجن
11:00-11:20		فرمان اللہ، ڈیوڈ رحمت
11:20-11:40		راجہ مجیب، ارشاد سومرو
11:40-12:00	سوال و جواب	
12:00-12:10	اختتامیہ کلمات	الطاف حسین
12:45-02:00	کھانا	

ضمیمہ نمبر 2

مقررین کا مختصر تعارف

نمبر	مقررین	تعارف
1	ڈاکٹر شاہدہ وزارت	سینئر فیلو، ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ اکنامکس، انسٹیوٹ آف بزنس منجمنٹ
2	طاہرہ عبداللہ	انسانی حقوق کی سرگرم کارکن
3	گلبرٹ سیپے	فلپائن میں موجود تنظیم پیسٹی سائیڈ ایکشن نیٹ ورک، ایشیاپسیفک (PANAP) میں پروگرام کوارڈنیٹر، فوڈ سورینٹی اینڈ ایکولوجیکل ایگریکلچر کے منصب پر فائز ہیں۔
4	سیلویا	ایشین پیزنٹ کوالیشن، سرگرم کارکن
5	علی اکبر	سرگرم کارکن / چارسدہ میں موجود تنظیم جے سی ڈی ایس کے ایگزیکیٹو ڈائریکٹر اور پاکستان کسان مزدور تحریک کے قومی رابطہ کار کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔
6	ڈیوڈ رحمت	انجمن مزارعین پنجاب کے جنرل سیکریٹری، پاکستان کسان مزدور تحریک میں پنجاب کے صوبائی رابطہ کار کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔
7	محمد رفیق	سرگرم کارکن / ہری پور میں موجود تنظیم سہارا فاؤنڈیشن میں پروگرام منیجر، پاکستان کسان مزدور تحریک کے ممبران میں شامل ہیں۔
8	راجہ مجیب	گھوٹکی میں موجود تنظیم روشنی کے جنرل سیکریٹری، پاکستان کسان مزدور تحریک میں سندھ کے صوبائی رابطہ کار کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہیں۔
9	الطاف حسین	اقوام متحدہ کی دیہی ترقیاتی تنظیم کے جنرل سیکریٹری، پاکستان کسان مزدور تحریک میں خیبر پختونخواہ کے صوبائی رابطہ کار کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہیں۔
10	فرمان اللہ	سرکاری اسکول میں تدریس کے فرائض کے ساتھ پاکستان کسان مزدور تحریک میں ممبر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہیں۔
11	وینا ارجن	پاکستان کسان مزدور تحریک کی ممبر۔

12	نویداقبال	کراچی یونیورسٹی کے شعبہ تدریس سے وابستہ، روٹس فارایکوٹی میں ریسرچ اینڈ پبلیکیشن کوارڈینیٹر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔
13	ولی حیدر	جوائنٹ ڈائریکٹر، روٹس فارایکوٹی۔
14	عذراطلعت سعید	سرگرم کارکن/ ایگزیکیٹو ڈائریکٹر، روٹس فارایکویٹی۔

روٹس فار ایکوٹی (Roots for Equity)